سہ ماہی

بصائر

هَٰذَا بَصَائِرُ مِن رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ

یہ (قرآن) تمہارے پروردگار کی طرف سے (حقیقت) کی دلیلیں ہیں اور ایماندار لوگوں کے واسطے ہدایت ورحمت ہے۔ سورہ اعراف (۲۰۳)

سہ ماہی بصائر

سرپرست:

حجۃ الاسلام والمسلمین جناب رضا شاکری (رئیس نمایندگی جامعۃ المصطفیٰ ہند)

چیف ایڈیٹر:

ڈاکٹر ذیشان حیدر عارفی

مینجنگ ایڈیٹر:

سید تقی عباس رضوی کلکتوی

مجلس ادارات:

: حجۃ الاسلام والمسلمین سید حسن اصل نژاد
: حجۃ الاسلام والمسلمین سید فیاض حسین رضوی
: حجۃ الاسلام والمسلمین سید منظور عالم جعفری
: حجۃ الاسلام والمسلمین سید تقی عباس رضوی
: حجۃ الاسلام والمسلمین علی عباس حمیدی
: حجۃ الاسلام والمسلمین سید سرور عباس نقوی

ناشر: المصطفیٰ اسلامک ریسرچ سوسائٹی (نمایندگی المصطفیٰ دہلی)

***

مجلہ بصائر میں شائع ہونے والے کسی بھی مواد و مطالب سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے (ادارہ)

فہرست مطالب

اداریہ...۴
اسلامی مناسبتیں..۵
انہدام جنت البقیع اور اس کے تاریخی حقائق پر اجمالی نظر...........................۷
امام جعفر صادق علیہ السلام اور طریقہ تعلیم وتربیت.................................۱۱
حضرت معصومہ سلام اللہ علیہا اور امامت کا دفاع.....................................۱۷
امام رضا علیہ السلام اور اسلامی اتحاد کا فروغ...۲۴
امام محمد باقر علیہ السلام ثقافتی انقلاب کے بانی..۲۹
عید قربان اور تہذیب نفس...۳۴
آیت اللہ سیستانی ورہبر معظم کے فتاوی کے مطابق مختصر احکام حج.......................۳۹
"غدیر" امام رضا علیہ السلام کے کلام کی روشنی میں......................................۵۱
غدیر، تمام پیغمبروں کی رسالت کا استمرار...۵۷
پیغمبر ﷺ کے جلیل القدر صحابی مقداد بن اسودؓ......................................۶۲
غصب خلافت میں قریش کا کردار...۶۷
آیہ مباہلہ اور دینی عقائد کا تحفظ...۷۲
امام کاظم علیہ السلام اور خدمت خلق..۷۶
فریقین کی رویات میں بہترین شخص...۸۰
ہندوستان میں شافعی مذہب..۸۱
اخباری تراشے نمایندگی جامعۃ المصطفیٰ ہندوستان...................................۸۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اداریہ:

خداوند متعال کا ہزاروں بار شکر کہ اس نے ہم کو انسان، مسلمان محب و پیرو کار اہل بیت علیہم السلام قرار دیا کہ جن کو حضور ﷺ نے اپنی امت کا رہبر و مقتدا قرار دیا اور اپنے صحابہ کو بارہا ان سے تمسک کی تاکید کی جس کو فریقین نے متفقہ طور پر نقل کیا ہے کبھی فرمایا: "تمہارے درمیان میرے اہل بیت کی مثال ایسی ہے جیسے نوح کی قوم کے درمیان کشتی نوح کی تھی، جو بھی اس پر سوار ہو جائے گا نجات پا جائے گا اور جو اس سے رو گردانی کرے گا وہ غرق ہو جائے گا"

(حاکم نیشاپوری، طبرانی و مجلسی)

کبھی فرمایا: "تم میں اہل بیتؑ کی مثال بنی اسرائیل کے باب الحطہ کی سی ہے. جو اس میں داخل ہو گا اسے بخش دیا جائے گا"

(سیوطی، مناوی، ابن حجر و صدوق)

کبھی فرمایا: ستارے زمین والوں کے لیے غرق ہونے سے حفاظت کا ذریعہ ہیں اور میرے اہل بیتؑ میری امت کے لیے تفرقہ سے حفاظت کا ذریعہ ہیں۔ پس جب بھی عربوں کا کوئی گروہ ان کی مخالفت کرے گا تو وہ ایک بدکار گروہ بن جائیں گے۔

(حاکم نیشاپوری اور صدوق)

اپنی وفات سے دو ماہ قبل غدیر خم میں فرمایا، "میں تم میں دو عظیم چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، ان میں سے پہلی اللہ تعالی کی کتاب ہے جس میں ہدایت اور نور ہے۔ اللہ تعالی کی کتاب پر عمل کرو اور اسے مضبوطی سے تھام لو، پھر آپ نے کتاب اللہ (کی تعلیمات پر عمل کرنے پر) ابھارا اور اس کی ترغیب دی پھر فرمایا: اور (دوسرے) میرے اہل بیت ہیں میں تمہیں اپنے اہل بیت کے متعلق اللہ کی یاد دلاتا ہوں، میں تمہیں اپنے اہل بیت کے متعلق اللہ کی یاد دلاتا ہوں. میں تمہیں اپنے اہل بیت کے متعلق اللہ کی یاد دلاتا ہوں۔" (مسلم اور کلینی)

آپ کا اپنے اصحاب کو اپنے اہل بیت کے بارے میں تین بار تاکید کرنا اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ دین و قرآن ان سے اخذ کرنا اسی میں تمہاری نجات ہے اس لئے کہ حضور کو خدا کی جانب سے اس بات کا علم تھا کہ ان کی امت ان کے بعد تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی جن میں صرف ایک کو نجات حاصل ہو گی "جس کی آپ ﷺ اپنی حیات طیبہ میں خبر بھی دے چکے تھے اسی لئے وہ اپنی وفات تک اپنے صحابہ سے کہتے رہے ائْتُونِي بِكِتَابٍ أَكْتُبْ لَكُمْ كِتَابًا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُ أَبَدًا "قلم و دوات لاو، تاکہ میں تمہارے لئے ایک ایسی کتاب لکھوا جاوں کہ تم کبھی گمراہ نہ ہو سکو" لیکن حاضرین نے اطاعت کے بجاے اختلاف کیا جس پر حضور کو یہ کہنا پڑا نبی کے سامنے جھگڑنا مناسب نہیں۔ (صحیح بخاری)

لہذا ہم سب کی ذمہ داری ہے آپ کی مذکورہ احادیث کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اہل بیتؑ اور قرآن کی پیروی میں امت کو متحد و متفق کرنے کی کوشش کریں کیونکہ حضور کے اہل بیتؑ ہی اصل دین سمجھا سکتے ہیں کیوں کہ ان کی محبت ہی اجر رسالت اور ان کی پیروی ہی نجات کا سبب ہے جس طرح نماز کی قبولیت ان پر درود بھیجے بغیر ممکن نہیں اسی طرح دین و قرآن ان کے بغیر سمجھ میں نہیں آسکتا ان کی محبت و پیروی دین میں وہی حیثیت رکھتی ہے. جو بدن میں روح رکھتی ہے لہذا ہم تمام مسلمانوں کو بغیر کسی اختلاف کے قرآن اور اہل بیتؑ کی پیروی کرنا چاہیے۔

مجلہ بصائر کا بھی یہی ہدف ہے کہ وہ قرآن و اہل بیت اطہار علیہم السلام کے اقوال کی روشنی میں دینی معارف کو بیان کرے خدا سے امید ہے کہ وہ ہمیشہ ہم کو اس مشن پر گامزن رکھے۔

وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

ماہ شوال کی مناسبتیں

۱۔ عید سعید فطر

۵۔ ورود جناب مسلم بن عقیل در کوفہ ۶۰ھ ق

۸۔ تخریب جنت البقیع ۱۳۴۴ھ ق

۱۵۔ شوال شہادت حضرت حمزہ علیہ السلام ۳ھ ق

وفات حضرت شاہ عبد العظیم حسنیؒ ۲۵۲ھ ق

۲۱۔ فتح اندلس بدست مسلمانان ۹۲ھ ق

۲۵۔ شوال شہادت حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ۱۴۸ھ ق

ماہ ذیقعد کی مناسبتیں

۱۔ ذیقعدہ ولادت باسعادت حضرت معصومہ قم علیہا السلام ۱۷۳ھ ق

۱۱۔ ذیقعدہ ولادت باسعادت حضرت امام رضا علیہ السلام ۱۴۸ھ ق

۲۳۔ ذیقعد شہادت حضرت امام رضا علیہ السلام (ایک روایت کے مطابق)

۲۵۔ ذیقعد دحو الارض

❊ ❊ ❊

ماہ ذی الحجہ کی مناسبتیں

۱۔ ذی الحجۃ عقد ازدواج حضرت علی و حضرت فاطمہ زہرا علیہما السلام

۳۔ ذی الحجہ پیامبر اکرمؐ کا حجۃالوداع کے لئے مکہ میں وارد ہونا ۱۰ھق

۷۔ ذی الحجہ شہادت حضرت امام باقر علیہ السلام ۱۱۴ھق

۸۔ ذی الحجہ حضرت امام حسین علیہ السلام کا مکہ سے کربلا کی سمت روانگی ۶۰ھق

۹۔ ذی الحجہ یوم عرفہ و شہادت حضرت مسلم بن عقیل وہانی بن عروہ ۶۰ھق

۱۰۔ ذی الحجہ عید سعید قربان

۱۵۔ ذی الحجہ ولادت حضرت امام علی نقی علیہ السلام ۲۱۲

۱۸۔ ذی الحجہ عید غدیر ۱۰ھق

۲۰۔ ذی الحجہ ولادت باسعادت حضرت مام موسیٰ کاظم علیہ السلام ۱۲۸ھ ق

۲۳۔ ذی الحجہ شہادت میثم تمار رضوان اللہ علیہ ۶۰ھ ق

۲۴۔ ذی الحجہ عید مباہلہ ۱۰ھ ق

۲۶۔ ذی الحجۃ واقعہ حرہ ۶۳ھ ق

۲۹ذی الحجۃ وفات ابوذر غفاری رضوان اللہ تعالی علیہ ۳۲ھ ق

***

مولانا تقی عباس رضوی کلکتوی

انہدام جنت البقیع اور اس کے تاریخی حقائق پر اجمالی نظر

قارئین ذی احتشام! جنت البقیع روئے زمین پر ممتاز قطعات میں سے ایک ہے، یہ وہ مقدس سرزمین ہے جس کا ہر ذرہ لائق احترام ہے یہ وہ زمین ہے جہاں ہر وقت فرشتوں کا نزول اور برکتوں کا صدور ہوتا ہے اس میں مدفون افراد کے لئے طلب مغفرت کا حکم ہوا ہے، یہ وہ مقدس قطعہ ارضی ہے جس سے روزِ قیامت ستر ہزار نیک صفات لوگ محشور ہونگے، شافع محشر سرکار ختمی مرتبت ﷺ اس میں مدفون مومنین کو شفاعت کی بشارت دینگے۔

یہ ارضِ پاک آفتِ دنیا سے پاک ہے　　　کیونکر نہ پاک ہو کہ بزرگوں کی خاک ہے

یقیناً! اگر ہم اسے اپنے دل کی آنکھوں سے دیکھیں تو ہمیں یہ اندازہ ہوجائے گا کہ بقیع صرف ایک قبرستان نہیں، بلکہ تاریخ کا ایک اہم باب، اسلامی تہذیب و ثقافت کا ایک شاہکار اور جنت کا ایک چمکتا ہوا بقعہ نور ہے۔۔۔ یہ وہ ارض مقدسہ ہے جسے فرزندان رسولؐ، صحابہ کبار، امہات المؤمنین رضؓ اور اسلام کی اہم اور بزرگ شخصیات کے مدفن ہونے کا شرف حاصل ہے جو سو سال سے اب تک ظلم و ستم، درد و غم، رنج و الم، غربت و تنہائی اور شکست و ریخت کی داستان سمٹیے ہوئے مسلمانان عالم کو اپنی طرف متوجہ کرتا رہا ہے کہ کوئی تو ایسا ہو جو اس کی غربت و تنہائیوں کے مرثیوں کو سنے اور اسے پھر سے اس کے منہدم مزاروں اور قبور کی تعمیر و مرمت کرائے جسے نام نہاد نجد کے تکفیری وہابیوں نے اپنے آقا عبد اللہ بن سلیمان بن بلیہد کے اشاروں پر اولیاء الٰہی سے توسل اور قبور کی زیارت کو شرک قرار دیتے ہوئے قبور کو مسمار کرنے کی غرض سے مدینۃ منورہ میں جارحانہ منصوبہ کے تحت بڑی ہی بے دردی سے ۸/شوال دسمبر ۱۳۴۴ھ میں تخریب کردیا گیا!

تکفیریوں کے اس اقدام نے نہ صرف دنیا بھر کے کروڑوں مسلمانوں، محبان رسول و آل رسول ﷺ کے جذبات کو مجروح کیا بلکہ حقیقت میں قلب اسلام کو پارہ کردیا اس طرح انھوں نے اپنے کفر و نفاق اور رسول و آل رسول سے بغض و نفرت کا کھلا اظہار کیا ہے عالم اسلام کو چاہیے کہ وہ اس دن کو یوم سیاہ کے نام سے مناتے ہوئے موجودہ سعودی حکومت سے اس کی از سر نو تعمیر کا مطالبہ کرے۔

ہے جنت البقیع بزرگوں کی یادگار　　　ہیں اہل بیتؑ پاک کے اکثر یہیں مزار

قبرِ جنابِ فاطمہ زہرا کے میں نثار　　　جس پر ہے اُس کے فضل و فضائل کا انحصار

شامل جو اس میں خاک ہے آلِ رسول کی

اس واسطے خدا نے یہ حرمت قبول کی

"جنت البقیع" تاریخی دستاویز کے پیش نظر ایک قدیم تاریخی دستاویز ہے یہ مدینہ منورہ میں مسجد الحرام کے شمال مشرق میں واقع ایک تاریخی قبرستان ہے جس کا تذکرہ، اسلام سے پہلے بھی ملتا ہے۔ لغوی اعتبار سے بقیع کے معنی ایک ایسی وسیع زمین ہے جہاں بہت سی گھانس ہو اور بہت سے چھوٹے چھوٹے درخت ہوں و۔۔۔ ہجرتِ رسولؐ اور ظہورِ اسلام سے پہلے مدینہ کے لوگ اپنے مردوں کو "بنی حرام"، "بنی سالم" نامی قبرستان یا پھر اپنے ہی گھر میں دفن کر دیا کرتے تھے[1]۔

لیکن مدینہ منورہ میں اسلام کے ظہور کے بعد، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے مسلمانوں نے سب سے پہلے جو قبرستان تاسیس کیا وہ "جنت البقیع" ہے۔ جو آج صدر اسلام کی ایک اہم نشانیوں میں سے ایک ہے جسے "بقیع الغرقد" کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں "غرقد" نامی ایک خاردار درخت اُگا کرتا تھا جس کی وجہ سے یہ نام پڑا۔

تختہ ریاضِ خلد کا ارضِ بقیع ہے کیا جنت البقیع کی شانِ رفیع ہے

آج یہاں جو قبریں آلِ سعود اور نجدی وہابیوں کے ظلم و ستم کا شکار نظر آ رہی ہیں در واقع ۸ شوال ۱۳۴۳ ہجری مطابق مئی ۱۹۲۵ سے پہلے یہ ساری قبریں، طلائی و نقرہ ای ضریح مطہرات کے حصار میں تھیں۔ لیکن اسلام دشمن عناصر، وہابی گروہ نے اپنے آباء و اجداد اور سلف کے معاندانہ افکار کی پیروی کرتے ہوئے یہاں کے سارے اسلامی آثار جیسے: "گنبد، منار اور ضریح وغیرہ" جیسی چیزوں کو مسمار کر دیا جو در واقع ایک یہودی سازش ہے۔ جو ظہورِ اسلام سے لیکر اب تک چلی آ رہی ہے۔

دنیا کے معروف سیاح "ابن جبیر" نے جب ساتویں قرن میں حجاز کا سفر کیا تو اس نے "جنت البقیع" کا مشاہدہ کرنے کے بعد تحریر کیا "جنت البقیع" ۴۹۵ ہجری قمری میں باضابطہ چہار دیواریوں میں محصور تھی اس پر فلک شگاف بلند و بالا گنبد، مینار اور قبہ بھی موجود تھے۔ یہاں بھی دوسرے مقدس آستانوں کی طرح منبر و محراب، ضریح، روپوش، جھاڑ و فانوس، شمعدان و فرش، پائے جاتے تھے اسی طرح دیکھ بھال اور زائروں کی خدمت کے لیے خدّام موجود تھے[2]

محمد لبیب مصری نے جب ۱۳۲۷ ہجری میں مدینہ کا سفر کیا تو اس نے اپنے سفر نامہ میں یوں لکھا ہے "کہ وہاں ایک معروف «قبہ البین» نامی گنبد موجود ہے اور اسی طرح ایک حجرہ ہے جس میں ایک کنواں کھدا ہے جس میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ کے دندان ہای مبارک کے دفن ہونے کا ادعا کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ سبط رسولؐ حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی ضریح مطہر ہے جو فلز (میٹل) کی ہے اس پر گنبد ہے جو فارسی خطوط سے مزین و حکاکی شدہ ہے۔ میرے خیال سے یہ عجمی شیعوں کے آثار ہو سکتے ہیں۔[3]

---

[1] تاریخ حرم ائمہ بقیع / ص ۶۱

[2] رحلہ ابن جبیر، ص ۱۷۳ اور مراۃ الحرمین وغیرہ جیسی کتابوں میں تفصیل دیکھی جا سکتی ہے

[3] رحلہ ابن جبیر، ص ۱۷۳

غرب کامعروف سیاح ریچارڈ بور تون (Richard Burton) ۱۲۷۶ہجری قمری، کے آئمہ جنت البقیع کے قبوں کا تذکرہ یوں کرتا ہے کہ یہ قبہ جو دائیں طرف ہیں سب سے بڑے، بہترین اور خوبصورت قبوں میں سے ایک ہے۔

لیکن افسوس! صد افسوس کہ آج اسلام اور رسول اسلامؐ کی معزز و مکرم ہستیوں کی قبور دن کی چلچاتی دھوپ اور رات کی اوس میں بے گنبد خاک کی آغوش میں بغیر مجاور اور زائرین کے زمیں بوس نظر آرہی ہیں! کوئی ان پر ایک شمع روشن کرنے والا نہیں ہے اگر کوئی چاہے بھی تو یہ کام انجام نہیں دے سکتا، کیوں کہ آل سعود کے اوباش، زائرین کو زیارت سے روکتے ہیں اور ان کو ہمیشہ دور رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ شہر، دنیا کے مختلف ملکوں سے ہزاروں کی تعداد میں آئے ہوئے حجاج کے دورود سلام اور تلاوت قرآن کی آواز کے باوجود شہر خموشاں بن کر اپنے اوپر ہونے والے ظلم و ستم کا اظہار کر رہا ہے مگر کوئی نہیں جو اس کی فریاد کو سنے۔

"ابن تیمیہ "اور "ابن قیّم جوزی" نامی افراد کو عالم اسلام علماء اور محدثین کی صف میں شمار کرتا ہے لیکن ان کے اقوال و افکار اور ان کی لکھی ہوئی کتابوں کا اگر بنظر غائر تعصب سے دور ہو کر منصف مزاجی کے ساتھ مطالعہ کیا جائے تو بخوبی پتہ چل جائے گا کہ آج دنیا میں جہاں بھی اسلامی آثار کو مٹانے کی کوشش کی جارہی ہے ان ہی دو مفتیوں کے فتووں کا نتیجہ ہے جنہوں نے مزارات کو منہدم و مسمار کرنے کا فتویٰ دے کر شر پسند عناصر کی ہمت افزائی کیا۔

"ابن قیّم جوزی" جس نے یہ اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ «یجب هدم المساجد الّتی بنیت علی القبور، ولا یجوز إبقاها بعد القدرة علی هدمها و إبطالها یوماً واحداً» "جو تعمیرات قبور پر بنائی گئی ہیں انہیں منہدم کرنا واجب ہے اور منہدم کرنے پر قبر پر حتی ایک دن کیلئے آثار کا باقی رکھنا جائز نہیں ہے۔"[1]

جب سعودیوں نے ۱۳۴۴ہجری قمری میں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ پر تسلط حاصل کیا انہوں نے "بقیع" اور حضرت رسول خدا صلی اللہ آلہ انکے اہلبیت علیہم السلام اور صحابہ کے آثار کو مسمار کرنے کا سلسلہ شروع کیا جس کا آغاز ۸ شوال مطابق مئی ۱۹۲۵ کو ہوا ہے جو کہ ابھی تک جاری ہے۔

مرحوم آقا بزرگ تہرانی اپنی کتاب " الذریعۃ " کی آٹھویں جلد کے صفحہ ۲۶۱ پر یوں تحریر فرماتے ہیں: وہابی ۱۵/ ربیع الاول ۱۳۴۳ہجری کو حجاز پر قابض ہوئے اور آٹھویں شوال ۱۳۴۳ہجری کو جنت البقیع میں آئمہ کے مزاروں اور صحابہ کرام کی قبروں کو منہدم کر دیا۔ اس دن کو "یوم الهدم"، کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔

یہ بات قابل غور ہے کہ "جنت البقیع "میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے سب سے پہلے جس عظیم شخصیت کو سپرد خاک کیا گیا وہ آنحضرتؐ کے مخلص صحابی اور حضرت علی ابن ابیطالب علیہم السلام کے قریبی ساتھی "جناب عثمان بن مظعون" ہیں جن کے نام پر

---

[1] زاد المعاد فی ہدی خیر العباد، ابن القیم ص ۶۶۱

حضرت علیؑ نے اپنے ایک بیٹے کا نام رکھا تھا،نیز سرکار ختمی مرتبت ﷺ نے جنگ احد کے بعض شہداء اور اپنے پیارے بیٹے "ابراہیمؑ" کو بھی یہیں دفن کیا ہے اسکے علاوہ آپ ﷺ کی ازواج مطہرات، آپ ﷺ کے چچا "عباس" اور آپ ﷺ کی پارہ تن سیدہ دو عالم حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا، اور آپ ﷺ کی چچی حضرت علیؑ کی والدہ گرامی فاطمہ بنت اسد علیہا السلام، اور علمدار کربلا حضرت ابوالفضل العباسؑ کی والدہ شیر خدا علی مرتضی کی زوجہ ام البنین سلام اللہ علیہا، اور کئی بزرگ صحابی حضرات بھی یہاں مدفون ہیں۔

جنت البقیع اپنے مقام و منزلت کے اعتبار سے اتنی بلند و بالا ہے کہ رسول انام حضرت ختمی مرتبت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جنت البقیع سے ستر ہزار لوگ ایسے محشور ہوں گے جن کے چہرے چاند کی طرح چمک رہے ہوں گے اور وہ بغیر حساب و کتاب کے بہشت میں داخل ہوں گے۔

علامہ مجلسیؒ کہتے ہیں عبد اللہ بن عباس سے معتبر سند کے ساتھ نقل ہوا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: جو شخص بقیع میں امام حسن علیہ السلام کی زیارت کرے، اس کا قدم پل صراط پر ثابت رہے گا جب کہ دوسرے لوگوں کے قدم لغزش کھا رہے ہوں گے۔

کتاب مقنعہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے: جو شخص میری زیارت کرے گا اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے اور اسے تنگ دستی اور پریشانی لاحق نہیں ہوگی۔

مذکورہ مطالب کے پیش نظر قبرستان بقیع کا ایک عظیم مقام ہے جس تکریم ہر مسلمان پر لازم ہے اور اسی تکریم کے ماتحت تمام محبان اہلبیت علیہم السلام کا فریضہ ہے کہ، ہر سال ۸ شوال کو "یوم انہدام جنت البقیع" منا کر اپنی مودت اور اجر رسالت کی ادائیگی کا اعلان کریں اور بین الاقوامی تنظیم مثلاً یونیسکو، عرب لیگ، موتمر عالم اسلامی، تنظیم اسلامی کانفرنس (OIC) اور عالمی انسانی حقوق کمیشن کو اس کی طرف متوجہ کریں کہ وہ وہابیوں پر دباؤ ڈالے تا کہ وہ اہلبیت علیہم السلام چاہنے والوں کو "جنت البقیع" کو تعمیر نو کی اجازت دیں۔

قارئین کرام اگر مزید وہابی سلفیوں کی خباثات، ظلم و زیادتی اور اسلام دشمنی کے آثار کا ملاحظہ کرنا چاہیں تو صلاح الدین مختار نامی وہابی شخص کی کتاب "تاریخ المملکہ العربیہ السعودیہ کما عرفت" کی طرف رجوع کریں۔

مولانا سید حمید الحسن زیدی سیتاپور

امام جعفر صادق علیہ السلام اور طریقہ تعلیم و تربیت

امام جعفر صادقؑ کی شخصیت

حضرت امام جعفر صادقؑ مشہور قول کی بنا پر ۱۷ ربیع الاول ۸۳ھ کو مدینہ میں پیدا ہوئے آپ کے والد امام محمد باقرؑ اور والدہ ماجدہ فاطمہ ام فروہ بنت قاسم ابن محمد تھیں القاب صادق، فاضل، طاہر، قائم، کافل، منجی اور صابر تھے آپ کی کنیت ابو عبد اللہ، ابو اسماعیل اور ابو موسیٰ تھی۔ ۱۵ یا ۲۵ شوال ۱۴۸ھ کو ۶۵ سال کی عمر میں آپ کی شہادت ہوئی اور آپ کا جسد مطہر قبرستان بقیع میں سپرد خاک کیا گیا۔ آپ بارہ سال تک اپنے جد امام زین العابدینؑ کے ساتھ رہے اور انیس سال اپنے والد امام محمد باقرؑ کے ہمراہ زندگی بسر کی آپ کی امامت کا زمانہ چونتیس سال تھا۔[1]

تعلیم و تربیت ائمہ علیہم السلام کی اہم ذمہ داری

ائمہ معصومینؑ کی ایک اہم ترین ذمہ داری ان صحیح اسلامی تعلیمات اور اخلاقی فضائل و کمالات کی ترویج ہوتی ہے جو انھوں نے پیغمبر اسلاؐم سے حاصل کی ہوتی ہیں تمام ائمہ معصومینؑ اس ذمہ داری کو انجام دینے کے لئے مکمل صلاحیتوں کے مالک ہوتے ہیں لیکن افسوس کہ عام طور پر ظالم و جابر حکمرانوں کی طرف سے پابندیوں کا سامنا رہتا ہے ظالم و جابر خلفاء خلافت غصب کرنے کے علاوہ اسلامی تعلیمات کی نشر و اشاعت کی اجازت بھی نہیں دیتے جن کی عام طور پر لوگوں کو ضرورت ہوتی ہے ائمہ معصومینؑ کے پیرو بھی حکومت کے دباؤ کی وجہ سے ان کی خدمت میں پہونچ کر اسلامی تعلیمات حاصل کرنے کی جرأت نہیں کر پاتے تھے اور مجبوراً تقیہ کی زندگی بسر کرتے تھے خاص طور پر بنی امیہ کی حکومت کے زمانے میں اسلامی دنیا میں خوف اور گھٹن کا ماحول تھا اور امیر مومنان علی ابن ابیطالبؑ اور باقی ائمہ اہلبیتؑ کے خلاف باطل پروپیگنڈہ کیا جاتا تھا لیکن امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ کے زمانے میں اس فضا میں کچھ تبدیلی آئی اور خوف اور گھٹن کا ماحول کچھ کم ہوا تو لوگوں کو اہلبیتؑ کی مظلومیت کا احساس ہوا اور لوگوں نے پیغمبر اسلاؐم کی خالص تعلیمات کی ضرورت محسوس کی جو ائمہ معصومینؑ کے پاس امانت تھیں۔

جب بنی امیہ کی حکومت متزلزل ہونے لگی اور اس پر زوال کے بادل منڈلانے لگے تو انھوں نے مجبوراً کچھ پابندیاں اٹھالیں بنی عباس کی حکومت کا ابتدائی دور بھی ایسا ہی تھا ان کی حکومت ابھی مضبوط نہیں ہوئی تھی لہٰذا وہ بھی مجبوراً اہلبیتؑ پر زیادہ پابندیاں عائد نہیں کر رہے تھے۔

[1] مناقب آل ابی طالب، ج ۴، ص ۲۶۸

امام جعفر صادقؑ نے اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بہت سے علماء و دانشور شاگردوں کی تربیت کی اور مختلف علوم و فنون سے متعلق ہزاروں حدیثیں ان کو تعلیم فرمائیں جو آج بھی احادیث کی کتابوں میں موجود ہیں اگر حدیث کی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ زیادہ تر احادیث انھیں دونوں ائمہؑ سے مروی ہیں۔ کتاب مناقب میں لکھا ہے: جتنے علوم امام جعفر صادقؑ کے ذریعہ منظر عام پر آئے اتنے کسی اور کے ذریعہ نہیں آسکے بعض علماء احادیث نے آپ کے موثق راویوں کی تعداد کو شمار کیا ہے اور ان کی تعداد چار ہزار افراد بتائی ہے[1]

علوم ائمہؑ کی وسعت

ابو بصیر کا بیان ہے کہ میں نے امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا میں آپ پر فدا ہو جائوں ایک سوال ہے یہاں کوئی غیر تو نہیں ہے جو میری بات سن لے۔

امامؑ نے پردہ اٹھا کر دیکھا کوئی نہیں تھا آپ نے فرمایا: جو پوچھنا ہے پوچھو میں نے عرض کیا میں آپ پر فدا ہو جاؤں شیعہ روایت کرتے ہیں پیغمبر اکرمؐ نے علم کا ایک باب حضرت علیؑ کو سکھایا اور آپ نے اس سے ایک ہزار باب وا کئے۔

امامؑ نے فرمایا: ہاں ایسا ہی ہے۔

میں نے عرض کیا خدا کی قسم کامل علم یہی ہے۔

امام جعفر صادقؑ نے کچھ دیر ٹھہر کر فرمایا: یہ علم ہے لیکن علم کامل نہیں ہے، پھر آپؑ نے فرمایا: "وإنّ عندنا الجامعة وما يدريهم ما الجامعة" ہمارے پاس جامعہ ہے اور لوگوں کو کیا معلوم کہ جامعہ کیا ہے؟

میں نے عرض کیا: جامعہ کیا ہے؟ آپؑ نے فرمایا: "طولها سبعون ذراعاً بذراع رسول الله وإملائِهِ من فلق فيه وخط علی بيمينه فيها كل حلال وحرام وكل شئ يحتاج الناس اليه حتى الارش فی الخدش"

"جامعہ ایک ایسا صحیفہ ہے جس کی لمبائی پیغمبر اکرمؐ کے ہاتھ کی ناپ سے ستر ہاتھ ہے (۳۵ میٹر) جیسے آپؐ نے اپنے دہن مبارک سے املاء فرمایا ہے اور یہ مولائے کائنات حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کے ہاتھ کی تحریر ہے جس میں تمام حلال اور حرام کے احکام اور لوگوں کی تمام مذہبی ضروریات ہیں یہاں تک کہ ایک ہلکی سی خراش کی دیت کا حکم بھی موجود ہے"

اس کے بعد آپ نے اپنا دست مبارک میرے جسم پر مار کر کہا: اجازت ہے میں نے عرض کیا میں آپ کا ہوں جو چاہیں کریں اس کے بعد آپ نے اپنے ہاتھ سے ایک کھرونچ لگائی اور فرمایا: اس کھرونچ کا حکم بھی موجود ہے۔

[1] بحار الانوار، ج ۴۷، ص ۱۶

میں نے عرض کیا خدا کی قسم علم کامل یہی ہے۔تو آپ نے فرمایا: یہ علم ہے لیکن علم کامل نہیں ہے: "إنّ عندنا الجفر وما يدريهم ما الجفر" "ہمارے پاس جفر ہے اور لوگوں کو کیا معلوم کہ جفر کیا ہے؟

میں نے عرض کیا جفر کیا ہے؟آپؑ نے فرمایا: "وعاءٌ من ادم فيه علم النبيين والوصيين وعلم العلماء الذين مَضَوْا من بني اسرائيل" "چمڑے کا جلد نما مخزن ہے جس میں انبیاء اوصیاء اور علماء بنی اسرائیل کا علم ہے۔ (گویا وہ چمڑا دونوں طرف کی جلدوں کی طرح ہے)

میں نے عرض کیا: علم کامل یہی ہے! تو آپؑ نے فرمایا: یہ علم ہے لیکن علم کامل نہیں ہے۔اس کے بعد کچھ دیر ٹھہر کر فرمایا: "وإنّ عندنا لمصحف فاطمه وما يدريهم ما مصحف فاطمه" "ہمارے پاس مصحف فاطمہ ہے اور لوگوں کو کیا معلوم مصحف فاطمہ کیا ہے۔ میں نے عرض کیا مصحف فاطمہ کیا ہے؟

آپؑ نے فرمایا: اس قرآن سے جو ہمارے پاس موجود قرآن ہے اس سے تین گنا زیادہ ہے اور قرآن مجید کا ایک حرف بھی اس میں نہیں ہے (قرآن کے ظاہری معانی اس میں نہیں ہیں البتہ باطنی خزانے ہیں جس کو ہم نہیں سمجھ سکتے)۔

میں نے عرض کیا علم کامل یہی ہے۔

آپؑ نے فرمایا: یہ علم ہے لیکن علم کامل نہیں ہے۔

میں نے عرض کیا: علم کامل کیا ہے؟تو آپؑ نے فرمایا:

"ما يحدث باالليل والنهار الذى بعد الذى والشى بعد الشئ"

"یہ علم ہے جو شب و روز ایک کے بعد دوسرے امر اور ایک چیز کے بعد دوسری چیز کے بارے میں قیامت تک وجود میں آتا رہے گا۔"[1]

(ظاہراً اس سے مراد وہ الہامات ہیں جو نئے نئے مسائل سے متعلق ہر وقت ائمہ معصومینؑ کے دل میں پیدا ہوتے رہتے ہیں یا اس سے مراد پیغمبر اکرمؐ اور گزشتہ ائمہ معصومینؑ کے محفوظ سرچشمہ علوم ہیں جن سے ائمہ معصومینؑ ہر وقت مطالب کا استنباط کرتے ہیں)

حالات واستعداد

امام جعفر صادق علیہ السلام کی وسعت علمی، تعلیم وتربیت سے متعلق آپ کی عظیم ذمہ داری اور طاغوتی طاقتوں کے آپسی ٹکراو کے نتیجے میں آپ کو الٰہی تعلیم وتربیت کا جو موقعہ ملا اسے دیکھتے ہوئے یہ اندازہ بھی نہیں لگایا جاسکتا ہے کہ آپ نے اپنی اس الٰہی ذمہ داری کو کس حسن وخوبی کے ساتھ انجام دیا ہوگا یقیناً آپ کے منفرد طریقہ تعلیم وتربیت نتیجہ ہے جو آج دین خدا اپنی اصلی شکل میں سنت معصومین خاص طور پر آپ اور آپ کے پدر بزرگوار کی احادیث کے ضمن میں

[1] اصول کافی، ج۔۱، ص۔۲۳۹

محفوظ ہے اور شاید آپ کی اس انوکھی جد و جہد، منفرد تعلیم و تربیت اور مخلصانہ ادائے رسالت کی بنا پر دین الہی کو جو نئ پہچان ملی اس نے اس پورے مذہب فقہی کو آپ کے عظیم نام نامی سے منصوب کر دیا

آپ کے ذریعہ تعلیم وتربیت کا انداز

ا۔ معلم کی وسعت قلبی اور سوالات پر صبر و استقامت

امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانے میں آپ کی بزم میں حاضر شاگرد مختلف مکاتب فکر سے متعلق تھے جن میں آپ کے سخت ترین مخالفین یہاں تک کہ دہریہ بھی اپنے بے تکے سوالات لیکر حاضر ہوتے تھے وہ افراد مغالطہ پر مشتمل انتہائی بے ہودہ بحثیں کرتے تھے لیکن آپ انتائی متانت سنجیدگی اور صبر و تحمل سے ان کا اطمینان بخش جواب دیتے تھے اس لیے کہ آپ کی طرف سے یہ سب کچھ صرف اور صرف رضائے آلہی کے حصول کے لئے انجام پاتا تھا لہٰذا تمام طرح کی زحمتیں آپ کے لیے قربت الہی کا ذریعہ تھیں اور آپ کی نظر میں اس سے بڑھ کر کچھ نہیں ہو سکتا تھا

آپ کی نظر میں خشیت الہی کے بغیر انسان عالم نہیں بن سکتا:

"الخشیہ میراث العلم و من حرم الخشیہ لا یکون عالما"[1] خشیت علم کی میراث ہے اس کے بغیر کوئی عالم نہیں ہو سکتا۔

اسی بنا پر نہ صرف یہ کہ خندہ پیشانی سے سوال کا جواب دیتے تھے بلکہ سوال کرنے کی ترغیب بھی دیتے تھے آپ کی نظر میں سوال سیکھنے کی کلید تھا اور اس سے دوری ہلاکت کا سامان[2]

۲۔ اپنی نگرانی میں شاگردوں سے بطور نمائند تدریس و تبلیغ کروانا

تعلیم و تربیت کے لیے سب سے اہم اس مہم کو تادیر باقی رکھنا ہے اس کے لیے اپنے کمالات کو انحصار طلبی کا شکار نہ بنا کر انھیں عام کر دینا ضروری ہوتا ہے چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے تعلیمی و تربیتی مشن کو عام کرنے کے لیے اسے اپنے شاگردوں کے وجود میں اتار دیا اور ان سے بطور نمایندہ تعلیم و تربیت کے فرایض انجام دلوائے

ہشام ابن سالم کا بیان ہے کہ شام کا رہنے والا ایک شخص امام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ عالم اور صاحب صلاحیت ہیں میں آپ سے بحث و گفتگو کرنا چاہتا ہوں امام علیہ السلام نے دریافت فرمایا کہ کس موضوع پر بحث کرنا چاہتے ہو اس نے کہا قرآن مجید کے موضوع پر امام علیہ السلام نے فرمایا حمران سے گفتگو کرلو اس نے عرض کیا میں آپ سے بحث کرنا چاہتا تھا امام نے فرمایا حمران سے بحث کرو اگر ان پر غالب آ گیے تو سمجھو مجھ پر غالب آ گئے اور اگر ان سے مغلوب ہو گئے تو مجھ سے مغلوب ہو گئے اس کے بعد اس نے حمران سے بحث کی بحث اتنی طویل ہو گئی کہ وہ شامی تھک کے چور ہو گیا امام علیہ السلام نے اس سے پوچھا حمران کو کیسا پایا اس نے عرض کیا ماہر

---

[1] مجلسی، ج ۲: ۵۲)

[2] کلینی ۱۳۷۵۔ ج ۱، ۱۱۳:

اور فن میں استاد پھر اس نے عرض کیا کہ میں علم (ادبیات) عرب میں بھی بحث کرنا چاہتا ہوں آپ نے ابان ابن تغلب کے حوالہ کر دیا[1]

اسی طرح امام علیہ السلام شاگردوں کی کارکردگی کا جائزہ بھی لیتے رہتے تھے آپ نے ہشام ابن حکم سے فرمایا عمرو ابن عبیدہ کے سات جو تمھارا مناظرہ ہوا اس کی تفصیل بتاؤ ہشام نے عرض کیا مولا آپ کا رعب وجلال مانع ہے میں آپ کے سامنے اس طرح کھل کر گفتگو نہیں کر سکتا امام علیہ السلام نے فرمایا میرا حکم سمجھ کر گفتگو کرو ہشام نے پورا ماجرا بیان کیا امام علیہ السلام سن کر مسکرایے اور فرمایا کہ تم نے بہت اچھی طرح بہترین گفتگو کی[2]

۳۔ علم اور اس کے ماخذ کے خدائی ہونے کی تاکید

امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے شاگردوں کے سامنے ہمیشہ اس بات کی تاکید فرماتے تھے کہ علم صرف بحث و مباحثہ اور کتابوں میں جوجھنے سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ توفیق پرودگار اس کا سبب بنتی ہے آپ کی خدمت میں ایک شخص حصول علم کی غرض سے حاضر ہوا آپ نے دریافت فرمایا تمہاری کنیت کیا ہے اس نے عرض کیا ابو عبداللہ امام نے فرمایا خداوند عالم تمھاری کنیت کو تمھارے لیے ثابت رکھے اور تمھاری توفیقات کا رفیق و یاور قرار دے علم صرف کسب کاوش سے ہی حاصل نہیں ہوتا

"**انما ھو نور فی قلب من یرید اللہ تبارك و تعالی ان یھدیہ**" بلکہ وہ ایک نور ہے خداوند عالم جسے چاہتا ہے فرماتا ہے: تم اگر علم حاصل کر رہے ہو تو اپنے نفس میں عبودیت کی جلوہ افزایی کرو اور عمل کرنے کے لیے قربۃ الی اللہ علم حاصل کرو تاکہ وہ اپنے اسرار و رموز کی تم پر بارش کرے[3]

۴۔ تحقیق اور جستجو کے جذبہ کو بیدار رکھنا

امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے شاگردوں سے کسی سوال کا جواب بغیر تحقیق اور جستجو کے قبول نہیں کرتے تھے کشی نے بشر ابن طرحان سے روایت نقل کی ہے کہ جب امام علیہ السلام "حیرہ" میں تشریف لائے تو میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے فرمایا تم کیا کرتے ہو میں نے عرض کیا میں جانوروں کی خرید فروخت کا کاروبار کرتا ہوں امام علیہ السلام نے فرمایا میرے لئے ایک خچر خرید و جو سفید رنگ کا ہو لیکن بہت زیادہ سفید نہ ہو اور اس کا پیٹ بھی سفید ہو میں نے کہا کہ ایسا خچر نہیں ملے گا امام علیہ السلام نے ناراض ہوتے ہوئے کہا بغیر تحقیق کے کیوں کہدیا پہلے پتہ لگاؤ پھر جواب دو

[1] (محدث زادہ، ۱۳۷۳: ۲۴). منبع: نشریہ پژوہش در مسائل تعلیم و تربیت اسلامی، پاییز ۱۳۹۸۔ شمارہ

[2] ۔اردستانی، ۱۳۸۶: ۲۴۹). وہی حوالہ

[3] ۔(محدث زادہ، ۱۳۷۳: ۲۹۰-۲۹۱). وہی حوالہ

میں بازار گیا وہاں دیکھا ایک غلام بالکل انھیں خصوصیات کا خچر لیے کھڑا تھا میں نے اس سے قیمت معلوم کی وہ مجھے اپنے مالک کے پاس لے گیا میں نے اس کے مالک سے معاملہ طے کیا اور وہ خچر لیکر امامؑ کی خدمت میں پہونچا امام علیہ السلام خوش ہو کر میرے حق میں دعا فرمائی[1]

۵۔ عمل کی ترغیب کے ساتھ حصول علم کی تحقیق

امام علیہ السلام حصول علم کا مقصد عمل کو قرار دیتے تھے اور عمل کو ہی علم حاصل کرنے کی راہ میں کار گر سمجھتے تھے امام علیہ السلام کی تعلیم کی بنیاد یہ تھی کہ معلم اس پر عمل پیرا ہو آپ قول و عمل میں اختلاف کو ہر گز پسند نہیں فرماتے تھے آپ نے اپنے ایک شاگرد کو بغیر عمل کی تعلیم کے بے فایدہ ہونے کی طرف متوجہ کرتے ہوئے فرمایا عمل کے بغیر تعلیم شاگرد کے ذہن سے اتنی ہی جلدی پھسل جاتی ہے جتنی جلدی چکنے پتھر سے بارش پھسل جاتی ہے[2]

امام علیہ السلام کے ذریعہ تعلیم وتربیت کے طریقہ کار کی یہ ایک ہلکی سی جھلک تھی حقیقت میں دریا کو کوزہ میں نہیں سمایا جاسکتا۔ امام علیہ السلام کی تعلیم وتربیت کے تمام اسرار و رموز اور ان پر مفصل تحقیق و جستجو اس مختصر مقالہ کی وسعت سے باہر ہے امید ہے کہ مختصر اشارے صاحبان مطالعہ افراد کے لیے مفید اور راہ گشا ثابت ہوں گے۔۔۔

***

مدح امام جعفر صادق علیہ السلام

علامہ ذیشان حیدر جوادی

خلاق دو عالم کا ایسا شاہکار امام صادق ہیں
سرکار رسالت کا زندہ کردار امام صادق ہیں

اسلام کے ہر منصب کیلئے اقرار امام صادق ہیں
اور کفر کے ہر مذہب کیلئے انکار امام صادق ہیں

قدرت نے عطا کی ہے ان کو پروازِ نظر کی وہ طاقت
مذہب کی ہر اک خدمت کے لیئے تیار امام صادق ہیں

گر دین خدا پر حملہ ہو بن جاتے ہیں مذہب کی سپر
باطل جو اُٹھائے سر اپنا تلوار امام صادق ہیں

سب اہل ستم ان سے بھاگے ٹھہرا نہ کوئی ان کے آگے
فرار ہیں سارے اہل ستم کرّار امام صادق ہیں

منصور کا ناصر کوئی نہیں اس رہ کا مسافر کوئی نہیں
اب قافلہء حق کے تنہا سالار امام صادق ہیں

جو دینِ خدا کا ہو جویا اس کے لئے ہیں قرآں گویا
دشمن کے لیئے اک فولادی دیوار امام صادق ہیں

ایمان کی ہر حکمت اُن سے اسلام کی ہر وسعت اُن سے
ہے علم اگر اک نقطہء باپرکار امام صادق ہیں

جو امتِ حق میں شامل ہو جو جنتِ حق میں داخل ہو
لازم ہے اُسے یہ یاد رہے سردار امام صادق ہیں

مالک سے اگر تصدیق نہیں پھر کوئی بشر صدیق نہیں
اور دہر کی ہر سچائی کا معیار امام صادق ہیں

---

[1] ۔(محدث زادہ، ۱۳۷۳: ۹۶) وہی حوالہ

[2] (آل رضا، ۱۳۹۳: ۷۰-۷۱) وہی حوالہ

حضرت معصومہ سلام اللہ علیہا اور امامت کا دفاع

حضرت معصومہ (س) کا مختصر تعارف:

حضرت معصومہ (س) کا نام فاطمہ لقب معصومہ اور آپ کے والد کا نام موسیٰ بن جعفر اور والدہ کا نام نجمہ خاتون ہے۔ آپ کے دیگر القاب: کریمہ اہل بیت، طاہرہ، حمیدہ، راشدہ، تقیہ، مرضیہ، راضیہ، برہ، اخت الرضا علیہ السلام ہیں[1]

آپ کی ولادت یکم ذی القعدہ الحرام ۱۷۳ھ کو مدینہ منورہ میں ہوئی۔ آپ ۲۳ ربیع الاول ۲۰۱ ہجری کو قم میں داخل ہوئیں اور سترہ دن کے بعد ۱۰ ربیع الثانی ۲۰۱ کو ۲۸ سال کی عمر میں انتقال کر گئیں۔

حضرت معصومہ (س) کی عظمت

امام موسی بن جعفر (ع) کے ۲۰ بیٹوں اور ۳۷ بیٹیوں میں سے آٹھویں امام (ع) کے علاوہ کوئی بھی فاطمہ معصومہ (س) کے مرتبے کو نہیں پہنچا۔

آپ کی عظمت کا اندازہ خود ساتویں امام کے قول سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ جب حضرت معصومہ (س) نے قم کے زائرین کے جوابات لکھے اور جب ساتویں امام کی نظر ان جوابات پر پڑی تو آپ نے تین مرتبہ فرمایا۔: "فَدَاہا اَبُوہا" ؛اس کا باپ اس پے قربان ہو"[2]

اس خاتون کی اس عظمت کا سبب امیر المومنین علی علیہ السلام کی امامت وولایت کی گہری بصیرت اور عظمت اہل بیت کا دفاع ہے۔

حضرت فاطمہ معصومہؑ کا امامت وولایت سے دفاع

حضرت معصومہؑ نے مامون کی حکومت میں بیس سال کا عرصہ گزارا۔ کیونکہ اسکی خلافت ۱۷۰ میں شروع ہوئی اور ۱۹۳ میں ختم ہوئی اور حضرت معصومہ کی ولادت ۱۷۳ میں ہوئی۔ بنی عباس، جو پیغمبر اسلام کے چچا (عباس بن عبد المطلب) کی اولاد میں سے تھے، نے اپنے اقتدار کے پروپیگنڈہ کے لیے آلِ رسول کی نسبت کو استعمال کیا اور اپنے آپ کو خلافت کا حق دار جتانے میں اسی ایک داو کو آزمایا۔ ہارون الرشید جو کہ دوسروں سے زیادہ دھوکے باز تھا اس نے اس چال کو چل کر دیکھا مگر اہل بیتؑ کی ہر فرد نے اپنے مناسب طریقہ سے اس کا بھرپور مقابلہ کیا چنانچہ روایت ہے کہ ایک دن ہارون، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت

---

[1] انوار المشعشعین، ج۱، ص۲۱۱؛ کریمہ اہل بیت، ص۳۸

[2] تاریخ اہل بیت، ص ۸۲؛ کریمہ اہل بیت، علی اکبر مہدی پور، ص ۱۷۱.

کے لیے گیا تو ایک بڑا ہجوم دیکھ کر ہارون، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ کی قبر کی طرف متوجہ ہوا اور بولا: آپ پر سلام ہو یا رسول اللہ! آپ پر سلام ہو اے چچازاد!

ان الفاظ سے وہ لوگوں کو یہ سمجھانا چاہتا تھا کہ میں رسول اللہ کا چچازاد بھائی ہوں اور میری خلافت میں رسول کی قرابت، رشتہ داری اور وراثت شامل ہے۔ حضرت موسیٰ بن جعفر (علیہ السلام) جو اس وقت وہاں موجود تھے اور ان مقاصد سے واقف تھے، انہوں نے بلند آواز میں کہا: «السلامُ عَلَیْکَ یارَسُولَ اللہ السلام علیک یا اَبَتاہ سلام ہو آپ پر، اے رسول اللہ! آپ پر سلام ہو اے ابا جان!

ہارون اس بیان سے سخت پریشان ہوا۔ اس طرح کہ اس کے چہرے کی رنگت نے تبدیل ہو کر اس کی بے بسی کی گواہی دیدی[1]۔ہارون نے اس امر سے جل کر آخر کار حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام کو قید کر کے ناحق شہید کر دیا۔

اس صورت حال میں امامت کے معتقدین کی یہی ذمہ داری تھی کہ وہ لوگوں کو سمجھائیں کہ خلافت امیر المومنین علی علیہ السلام اور ان کی اولاد سے مخصوص ہے جو ان کو نص، وصیت اور قرابت کے ذریعہ تفویض کی گئی ہے، نہ کہ کسی ایسے شخص کو جو صرف پیغمبر اکرم (ص) سے متعلق کوئی بھی نسبت رکھتا ہو۔ حضرت معصومہ (س) نے بھی اپنی زندگی کا مقصد اسی امر کو بنالیا تھا۔

۱۹۳میں ہارون کی موت ہوئی، اس کے بعد سے ۲۰۱ تک، حضرت معصومہؑ نے امین اور عبد اللہ مامون کی خلافت میں ولایت مداری اور امامت کی تبلیغ میں پوری زندگی بسر کی جب مامون نے معاملے کو اس مقام تک پہنچا دیا کہ اس نے خود حضرت علی بن موسیٰ الرضا علیہ السلام کو خلافت کی پیشکش کی، جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ نبی کی طرف سے برحق خلیفہ اور امام ہے، جس کی بنا پر وہ دوسرے کو خلافت یا ولایت دینے کا حق رکھتا ہے امام رضا علیہ السلام نے مامون کے ارادہ کو اچھی طرح بے نقاب کر دیا، جب اس نے آپ سے کہا: "میں خلافت سے دستبردار ہو کر آپ کو خلیفہ بنانا چاہتا ہوں اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہتا ہوں"، تو حضرت رضا علیہ السلام نے فرمایا: "اگر یہ خلافت تمہارا حق ہے ؟ تو اللہ تعالیٰ نے اسے تمہارے لیے قرار دیا ہے، لہٰذا تمہارے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ (خلافت کا) لباس جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں پہنایا ہے اسے اتار کر کسی اور کو دیدو، اور اگر خلافت تمہاری نہیں ہے تو پھر تمہارے لیے جائز نہیں کہ تم اس پر اپنا حق جماو! جبکہ یہ تمہارا حق نہیں ہے۔" مامون نے کہا: اے فرزند رسول! تمہیں اس (خلافت) کو قبول کرنا ہوگا۔ امام نے کہا: میں اپنی مرضی سے ایسا نہیں کروں گا۔ مامون نے کہا: "اگر تم خلافت کو قبول نہیں کرتے تو میرے ولی عہد بن جاؤ یہاں تک کہ تم میرے بعد خلافت پر پہنچ جاؤ"۔

امام نے اس وقت تک اسے قبول نہیں کیا جب تک کہ آپ کو جان سے مارنے کی دھمکی نہ دی گئی پھر بھی آپ نے کافی شرائط کے تحت ولایت کو قبول کیا جو کہ اس بات کی علامت ہے کہ آپ اس امر پر راضی نہ تھے۔

---

[1] الارشاد، شیخ مفید، قم، بصیرتی، ص ۲۹۸؛ الکامل فی التاریخ، ابن اثیر، بیروت، ج ۶، ص ۱۶۴؛ البدایۃ والنہایہ، بیروت، ج ۱۰، ص ۱۸۳۔

یہی حالات تھے کہ اہل بیت سے تعلق رکھنے والوں نے اپنی کارکردگی کا محور صرف ولایت و امامت کی حفاظت کو بنالیا تھا اس دور کے شیعوں پر اس امر کا واضح کرنا ضروری تھا کہ وہ رسول کی رشتہ داری سے دھوکھا نہ کھائیں بلکہ عام لوگوں پر بھی واضح کریں کہ پیغمبر اکرم (ص) کی نص اور حکم کے مطابق خلافت، امیر المومنینؑ اور ان کی نسل کے باقی ائمہ کے لیے مخصوص ہے۔

حضرت معصومہؑ نے اسی نصب العین کو مد نظر رکھتے ہوئے ہارون اور مامون کے دور میں امیر المومنینؑ کی امامت اور خلافت سے متعلق متواتر اور قطعی احادیث نقل کر کے اس میدان میں وہ اقدامات کیے جن کا ذکر قیامت تک باقی رہے گا۔ اس کے علاوہ آپ نے ایک نیا انداز بھی اپنایا کہ زیادہ تر ایسی خواتین سے روایت نقل فرمائی جن کا نام فاطمہ تھا ہم یہاں ان سے چند منقول احادیث کو نقل کر رہے ہیں جن کو امامت و ولایت سے دفاع کے بطور پیش کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ حدیث غدیر

امیر المومنین علی علیہ السلام کی امامت کے بارے میں حدیثوں میں سے ایک حدیث، حدیث غدیر ہے جو متواتر اور اور قطعی الصدور ہے جسے پیغمبر اکرم ﷺ نے غدیر کے خطبہ کے ایک حصہ میں بیان فرمایا۔ حدیث غدیر کو صحابہ کرام میں سے ۱۱۰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ سے بغیر واسطہ اور ۸۴ تابعین نے واسطہ کے ذریعے روایت کیا ہے، اہل سنت کی ایک بڑی تعداد نے اسے اپنی کتابوں میں جمع کیا ہے[1]۔

بد قسمتی سے اس حدیث کو جلد ہی فراموش کر دیا گیا لیکن ہمیشہ ایسے لوگ تھے جو امت کو اس حدیث کی یاد دلاتے رہے۔ حضرت فاطمہ معصومہ سلام اللہ علیہا کا شمار ان ہی افراد میں ہوتا ہے جنہوں نے انتہائی حساس وقت میں اس حدیث کو لوگوں کے کانوں تک پہنچایا۔ امام حافظ محمد خزاری شافعی (۸۱۳ھ) محمد بن بکر بن احمد قصری نے حضرت فاطمہ معصومہ (س) سے انھوں نے فاطمہ بنت امام صادق علیہ السلام سے، انھوں نے امام باقر علیہ السلام کی بیٹی فاطمہؑ سے انھوں نے امام حسین کی بیٹیوں فاطمہؑ (اور سکینہؑ) سے، انھوں نے حضرت فاطمہ زہراؑ کی بیٹی ام کلثومؑ سے، انھوں نے اپنی مادر گرامی حضرت فاطمہ زہرا سے نقل فرمایا ہے انھوں نے فرمایا:

«اَنَسِیتُم قَولَ رَسُولِ اللہِ یَومَ غَدیرِ خُمٍّ: مَن کُنتُ مَولاہُ فَعَلِیٌّ مولاہُ»۔ کیا تم غدیر خم کے دن رسول خدا (ص) کے اس قول کو بھول گئے کہ آپ نے فرمایا: جس کا میں مولا ہوں، علی اس کے مولا ہیں؟"[2]

مزے کی بات یہ ہے کہ ہر زمانہ کی فاطمہ نے اس حدیث کو روایت کیا اور شائع کیا ہے تاکہ لوگوں کے لیے اس کی سند مکمل ہوجائے

---

[1] الغدیر، علامہ امینی، دار الکتب الاسلامیہ، ج۱، ص۶۳۔۹

[2] لغدیر، علامہ امینی، ج۱، ص۱۹۷؛ البدر الطالع، ج۲، ص۲۹۷؛ اعلام النساء المؤمنات، ص۵۷۸؛ عوالم بحرانی، ج۱، ص۳۵۳، ح۳؛ صحیفۃ الرضا، ص۱۷۳، ح۱۰۹؛ احقاق الحق، ج۶، ص۲۸۲

حضرت معصومہ (س) کااس حدیث کوہارون ومامون کے دور خلافت میں بیان کرنادر حقیقت ان کے خلاف سخت احتجاج تھااور حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اور حضرت امام رضاعلیہ السلام کی امامت کی سند کو ثابت کرنے میں بہت اثر دار دستاویز تھا۔

۲۔ حدیث منزلت

ایک اور حدیث جو حضرت معصومہ (س) نے امامت اور بالخصوص امیر المومنین کے دفاع میں روایت کی ہے وہ مشہور حدیث ہے جسے حدیث کے متون میں حدیث منزلت کانام ملاہے۔ علامہ امینی نے طبرانی، ابن حیان، جامع ترمذی، مستدرک حاکم، صحیح مسلم، کفایہ کانجی وغیرہ سے نقل کیاہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جنگ تبوک میں علیؑ کو مدینہ میں اپناجانشین مقرر کیااور ان کی شان میں یہ عظیم حدیث ارشاد فرمائی۔ حضرت معصومہ سلام اللہ علیہانے امامت کے دفاع میں اس مشہور حدیث کو بھی فاطمیات[1] کی سند کے ساتھ نقل کیاہے، جو حضرت فاطمہ زہرا(س) تک پہنچتی ہے آپ سلام اللہ علیہانے فرمایا:"أَنَسيتُم قَوْلَ رَسُولَ اللہ...: وَ أَنْتَ مِنّي بِمَنْزِلَةِ هارُونَ مِنْ موسى؛ کیاتم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کے اس قول کو بھول گئے ہو جس میں فرمایا تھاکہ: تمھارامقام میری نسبت ایساہے جیساکہ ہارون موسیٰ کے لئے تھے۔

علامہ امینی حدیث منزلت کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "یہ حدیث علی علیہ السلام کے لیے رسول اللہ ﷺ کے تمام اختیارات، مرتبے، حکمرانی، حاکمیت اور شرافت کو ثابت کرتی ہے، سوائے نبوت کے، جو ایک استثناء ہے۔ جیسے ہارون موسیٰ کی نسبت تھے۔ پس حضرت علی پیغمبر ﷺ کے جانشین اور ان کی جان ہیں۔

غزوہ تبوک سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے شہروں میں یاجنگوں میں بہت سے لوگوں کو اپناجانشین مقرر کیاتھا۔ لیکن انہوں نے ان میں سے کسی کے لیے بھی یہ تعبیر استعمال نہیں کی یہ بیان صرف امیر المومنین علی علیہ السلام کے لیے ہے

۳۔ حدیث معراج

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کیلئے معراج کی رات مختلف واقعات رونماہوئے اور آپ کو خداکی طرف سے تقریباً تین ہزار چیزیں سکھائی گئیں جن میں سے ایک اہم حصہ بیان کیاگیاہے۔

حضرت معصومہ علیہاالسلام نے معراج کی حدیث کاایک حصہ نقل کیاہے، جو کہ وقت کے تقاضوں کے مطابق امیر المومنین علی علیہ السلام کی ولایت وامامت اور ان کے شیعوں کی عظمتوں سے متعلق ہے۔

حضرت معصومہ سلام اللہ علیہا مذکورہ سند فاطمیات کے توسط حضرت فاطمہ زہراسلام اللہ علیہاسے روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[1] وہ سند جس میں سب یااکثر فاطمہ نام کی ہیں

”جب میں آسمانوں پر پہنچا تو مجھے جنت میں داخل کیا گیا۔ وہاں میں نے ایک محل دیکھا جس کے درمیان سفید دروازہ تھا جس میں ایک دروازہ اور یاقوت سے سجا ہوا تھا اور اس پر پردہ لٹکا ہوا تھا۔ میں نے سر اٹھایا تو دیکھا تو اس کے اوپر لکھا تھا: "«لا اله الاّ الله، محمد رسول الله، عليٌّ وليُّ القوم»" ایک خدا کے سوا کوئی معبود نہیں، محمد ﷺ خدا کے رسول ہیں، علیؑ لوگوں کے ولی اور حاکم ہیں"، نیز پردہ پر لکھا تھا: "«بخٍّ بخٍّ مَنْ مِثْل شيعَةِ عليٍّ»! شیعہ علی جیسا کون ہے؟" میں اس میں داخل ہوا تو دیکھا کہ سرخ عقیق کا ایک محل بنا ہوا تھا جو درمیان میں خالی تھا۔ اس گھر کا ایک دروازہ بھی تھا جس پر زمرد سے مزین پردہ لٹکا ہوا تھا۔ میں نے اپنا سر اٹھایا تو اس پر لکھا ہوا دیکھا:

"مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ، عليٌّ وصيّ المُصطفى؛ "بَشِّرْ شيعَةَ عَلِيٍّ بِطِيبِ المولد؛

محمد اللہ کے رسول ہیں، علیؑ مصطفیٰ کے ولی ہیں۔ شیعہ علی کو نسل کی حلال پیدائش اور پاکیزگی کی بشارت دو۔

میں اس کے اندر داخل ہوا تو سبز زمرد کے ایک محل میں پہنچا جس سے زیادہ خوبصورت میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا اور اس میں سرخ یاقوت کا ایک دروازہ تھا جسے ہر قسم کے موتیوں سے مزین کیا گیا تھا اور اس کے پردے پر لکھا ہوا تھا: " شيعة عليٍّ هم الفائزون؛ علی کے شیعہ ہی کامیاب ہیں۔ میں نے پوچھا: میرے دوست جبرائیل! یہ محل کس کا ہے؟ اس نے جواب دیا: "یا محمد، لابن عمّك و وصيّك علي بن ابي طالب؛ اے محمد! یہ آپ کے چچازاد بھائی اور جانشین علی بن ابی طالب کا گھر ہے..."[1]

۴. اہل بیت (ع) کی محبت کے آثار

اہل بیت اور لوگوں کے درمیان جذباتی تعلق ایجاد کرنے کے لیے حضرت معصومہ (س) نے اہل بیت سے محبت کے فوائد و نتائج کی اشاعت کے لئے ان احادیث کو ذکر کیا جن سے لوگ محبت میں سرشار نتائج کو اپنی دنیا و آخرت میں محسوس کریں، آپ نے دیگر اور حدیثوں کی طرح اس سلسلہ میں بھی فاطمی سند والی حدیث کا سہارا لیا، آپ نے حضرت فاطمہ زہراؑ کے حوالہ سے بیان کیا: "اَلاٰمَن ماتَ علی حُبِّ آلِ مُحَمّدٍ ماتَ شَهیداً۔ جو بھی آل محمدؐ کی محبت میں مرے وہ شہید ہے"۔ یہ موضوع سنی کتابوں میں بھی مذکور ہے یہاں پر بطور نمونہ صرف ایک حوالہ پیش کیا جاتا ہے:

زمخشری اور ان کے علاوہ اہل سنت مفسرین کی ایک جماعت نے رسول اللہ ﷺ سے نقل کیا ہے:

آل محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ) کی محبت میں مرنے والا شہید ہے، بخشا ہوا، توبہ کیا ہوا اور پورے ایمان کے ساتھ وفات پانے والا ہوتا ہے، موت کا فرشتہ اسے جنت کی بشارت دیتا ہے آگاہ ہو جاو! جو شخص محمد ﷺ کی آل کی محبت میں مرے گا، فرشتے اسے ایسے عزت کے ساتھ جنت میں لے جائیں گے۔ جیسے دلہن کو دولہا کے گھر لے جایا جاتا ہے۔ جو شخص آل محمد ﷺ کی محبت کے

[1] بحار الانوار، ج ۶۸، ص ۷۷؛ عوالم، ج ۲۱، ص ۳۲۵؛ ینابیع المودة، ص ۲۵۷؛ سفینة البحار، ج ۲، ص ۷۲۹.

ساتھ مرا، اس کی قبر میں جنت کے دو دروازے کھول دیے جائیں گے، اور اللہ تعالیٰ اس کی قبر کو فرشتوں کے لیے زیارت گاہ بنائے گا، اور ایسی حالت میں انتقال کرنے والا شخص، نبی کی سنت اور ان کی جماعت کا پیروبن کر مرا ہے. آگاہ ہو جاو! جو شخص آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ کی دشمنی کے ساتھ مرے گا، قیامت کے دن میدان محشر میں اس کے ماتھے پر لکھا ہوگا: "یہ خدا کی رحمت سے مایوس ہے"۔

آگاہ ہو جاو! جو بھی آل محمد کی دشمنی اور عداوت کے ساتھ اس دنیا سے اٹھے گا وہ کفر کی حالت میں ہوگا، وہ جنت کی خوشبو بھی نہ سونگھ سکے گا۔[1]

حضرت معصومہ اسی حدیث معراج کے اندر اس حصہ کو بہت تاکید سے بیان فرماتی ہیں: "يَحشُرُ النَّاسُ كُلُّهُمْ يَوْمَ القِيامَةِ حُفاةً عُراةً الا شيعةُ عليٍ"، علیؑ کے شیعوں کے علاوہ روز محشر سبھی ننگے پاوں اور عریاں بدن اٹھائے جائیں گے۔ علیؑ والوں کو عزت کے ساتھ انکی ولدیت سے پکارا جائے گا مگر دوسروں کو ان کی ماں کے نام کے ساتھ پکارا جائے گا۔ اللہ کے حبیب نے فرمایا میں نے اس بات کا راز جبرئیل سے دریافت کیا کہ کس لئے علیؑ والوں کو ان کے باپ کے نام سے پکارا جائے گا؟ تو جبرئیل نے بتایا: چونکہ علیؑ کے شیعوں کی ولادت پاک طریقہ سے ہوتی ہے اس لئے انکے باپ معین اور معلوم ہوتے ہیں[2]۔

حضرت معصومہ کی روایت لوگوں کو اہلبیت کی جانب مائل کرنے میں نہایت درجہ موثر ثابت ہوئیں اور لوگ علیؑ کی محبت پر ثابت قدم رہے۔

۵. امام کا پاک و پاکیزہ ہونا

روحانی پاکیزگی کے علاوہ، معصوم ائمہؑ میں جسمانی پاکیزگی بھی تھی۔ مذکورہ بالا دستاویز کے ساتھ، فاطمہ معصومہؑ نے رسول اللہ کی پھوپھی صفیہؓ سے روایت کی ہے کہ میں امام حسین کی ولادت کے وقت ان کی دایا تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پھوپھی جان! میرے بچے کو میرے پاس لاؤ۔ میں نے کہا: یا رسول اللہ! میں نے اسے پاک نہیں کیا۔ آپ نے کہا: پھوپھی! کیا آپ اسے پاک کرنا چاہتی ہیں؟ خدا نے تو اسے مطہر کر دیا ہے۔"[3]

لہٰذا حضرت فاطمہ معصومہؑ نے اپنی حساس زندگی میں مضبوط اور مستند احادیث بیان کر کے امیر المومنین علی علیہ السلام اور ائمہ معصومین علیہم السلام کی امامت کا بجاطور پر دفاع کیا اور صرف زبانی ہی امامت و ولایت سے دفاع نہ کیا بلکہ عملی طور پر بھی آپ کی امامت کی حمایت کی اس کا ایک نمونہ یہ ہے کہ آپ نے مدینہ سے خراسان تک اس عظیم امر کے لئے سفر فرمایا جبکہ پرانے ذرائع سے سفر کرنا عورتوں کے لیے بہت مشکل کام تھا لیکن حضرت معصومہ (س) نے اپنے بھائی امام رضاؑ کے حکم کی تعمیل کی اور مدینہ

[1] الکشاف، بیروت، ج۴، ص۲۲۰،۲۲۱؛ تفسیر فخر رازی، ج۲۷، ص۱۶۵،۱۶۶؛ تفسیر قرطبی، ج۸، ص۵۸۴۳

[2] بحار الانوار، ج۶۸، ص۷۷؛ عوالم، ح۲۱، ص۳۲۷؛ ینابیع المودة، ص۲۵۷؛ سفینة البحار، ج۲، ص۷۲۹

[3] بحار الانوار، ج۴۳، ص۲۴۳.

سے قم کے راستے میں گفتگو اور سوالات و جوابات کے دوران امامت کا زیادہ دفاع کیا۔ یہ ایک تھکا دینے والی کوشش تھی تاریخ میں مذکور ہے کہ حضرت امام رضا علیہ السلام نے اپنی بہن حضرت فاطمہ معصومہ سلام اللہ علیہا کے نام ایک خط لکھا اور اپنے ایک غلام کے ذریعے مدینہ منورہ روانہ کیا۔

حضرت رضا علیہ السلام نے اپنے غلام کو حکم دیا کہ وہ کسی گھر میں نہ رکے تا کہ وہ جلد از جلد مدینہ پہنچ جائے۔ پھر آپ نے حضرت موسیٰ بن جعفر علیہ السلام کے گھر کا پتہ بتایا تا کہ وہ کسی سے پتہ نہ پوچھے اور راز داری و امنیت کے معاملے میں کوئی پریشانی نہ ہو۔ غلام جلدی سے مدینہ پہنچا اور آٹھویں امام کا خط حضرت معصومہ (س) کو پیش کیا۔ وہ خاتون جو امام کی معرفت رکھتی تھی اور امام کی مکمل اطاعت کرتی تھی، جیسے ہی امام کا خط پہنچا، وہ سفر کے لیے تیار ہو گئی۔[1]

آخری دم تک امامت کا دفاع: حضرت معصومہ سنہ ۲۰۱ ہجری میں، اپنے بھائی کی جدائی کے صرف ایک سال بعد، آٹھویں امام کا خط آنے پر، اپنے پانچ بھائیوں کہ جن کے نام فضل، جعفر، ہادی، قاسم اور زید تھے، اور متعدد بھتیجوں اور چند غلام اور کنیزوں کے ہمراہ سفر اختیار کرتی ہیں۔[2] جب آپ کا قافلہ ساوہ پہنچا تو اہل بیت عصمت و طہارتؑ کے دشمنوں میں سے کچھ لوگ جو اس تبلیغی قافلے سے خوفزدہ تھے، انھوں نے مامون کے اشارے سے راستہ روک دیا اور لڑائی چھیڑ دی جس کے نتیجہ میں قافلہ کے مختصر افراد میں سے آپ کے تمام بھائیوں غلاموں نے بہت جاں نثاری سے مقابلہ بھی کیا مگر ظالموں کی کثرت اور نفرت نے امام کی امامت کی حمایت کرنے کے جرم میں قافلہ کو شہید کر دیا۔

حضرت معصومہؑ وحشت زدہ اس لڑائی سے بہت کبیدہ خاطر ہوئیں آپ اسی صدمہ میں، اور ایک قول کے مطابق زہر دیئے جانے کی وجہ سے شدید بیمار ہو گئیں۔ اس طرح کہ وہ سفر جاری نہ رکھ سکیں اور لامحالہ قم منتقل ہو گئیں۔ وہ سترہ دن سے زیادہ قم میں نہیں رہ سکیں اور ۱۰ ربیع الثانی ۲۰۱ کو اس دار فانی کو الوداع کہہ گئیں، مگر اطمینان تھا کہ اپنے امام کی اطاعت کے راستے میں اس طرح کی تکالیف برداشت کیں آپ نے ولایت و امامت کا آخری دم تک دفاع کیا۔

اور اپنی وفات کے بعد بھی آپ امامت و ولایت کے عقیدہ کی قبولیت کے لئے عوام میں بڑا عنصر تھیں۔ اور اس طرح قم شیعوں کے اہل بیت اور آل محمد کا مرکز بن گیا۔ جیسا کہ اس خاتون نے خود پہلے سے کہا تھا: "مجھے قم لے چلو؛ کیونکہ میں نے اپنے والد سے سنا ہے کہ انھوں نے فرمایا: شہر قم ہمارے شیعوں کا مرکز ہے"[3]۔

---

[1] من لایحضرہ الخطیب، ج ۴، ص ۴۴؛ بارگاہ فاطمہ معصومہ تجلیگاہ فاطمہ زہرا (س)، سید جعفر میر عظیمی، ص ۲۰

[2] کریمہ اہل بیت، ص ۱۷۴

[3] فروغی از کوثر، ص ۴۹.

مولانا سجاد ربانی

امام رضا علیہ السلام اور اسلامی اتحاد کا فروغ

مقدمہ

حکم خدا اور رسول (ص) کے برخلاف، امت مسلمہ بعض وجوہات کی بنا پر رسول اللہؐ کے وصال کے بعد ہی سے اختلاف و افتراق کا شکار ہوگئی۔ اور اس اختلاف و افتراق اور جذبہ عدم برداشت نے امت اسلامی کے پیکر پر ایسے ایسے کاری زخم لگائے جن سے امت کا جسم چھلنی ہوگیا اور آج تک پورا وجود درد سے کراہ رہا ہے اگرچہ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ ایک خدا کو ماننے والے، ایک رسول کا کلمہ پڑھنے والے ایک قرآن کی تلاوت کرنے والے، ایک قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے والے، قرآن مجید کی ندائے وحدت پر لبیک کہتے اور حبل اللہ سے تمسک اختیار کرتے لیکن ایسا ہو نہ سکا۔ اور زمانہ گذرنے کے ساتھ ساتھ یہ اختلافات شدید سے شدید تر ہوتے چلے گئے اور امت واحدہ تہتر فرقوں میں تقسیم ہوکر رہ گئی ظاہر ہے جب کسی ایک مجموعہ اور گروہ میں اختلاف پیدا ہو جائے تو اس کی ہیبت ختم ہو جاتی ہے دشمنوں کے دلوں سے اس کا رعب نکل جاتا ہے اگرچہ قرآن مجید نے مسلمانوں کو رسول اللہؐ کی زندگی میں ہی اس امر کی طرف رہنمائی کردی تھی کہ تم اللہ و رسول کی اطاعت کرتے رہنا، آپس میں لڑائی جھگڑا مت کرنا ورنہ دشمنوں کے دلوں سے تمہارا رعب ختم ہو جائے گا: وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ ۖ وَاصْبِرُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ۔[1]

امت کا اتحاد کیسا ہو؟

موجودہ زمانے میں اسلامی امت کو طرح طرح کے چیلنجز اور خطرات کا سامنا ہے لہذا ان چیلنجز اور خطرات سے نپٹنے کے لئے تمام مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر آنے کی ضرورت ہے اور اس میں بھی کسی سمجھدار مسلمان کے لئے جائے تامل نہیں ہونا چاہئے کہ اسلام کی حرمت و عظمت تمام اسلامی مذاہب کے درمیان آپسی اختلاف سے کہیں زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔ چونکہ مسلمانوں کے درمیان جتنی یک جہتی اور اتحاد کی فضا ہموار ہوگی اتنا ہی اسلام کے بدخواہوں کے حوصلے پست ہوں گے اور جتنی آپسی خلشیں زیادہ ہوں گی اتنا ہی دین کی تضعیف کا سبب قرار پائیں گی۔ البتہ اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ اسلامی مذاہب کے درمیان بعض فروعات میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ جو اسلام کی آزاد اندیشی اور متحرک اجتہاد کی دلیل ہے لیکن اتحاد امت کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ سارے مسلمان فرقے ایک دوسرے میں ضم ہو جائیں اور شیعہ سنی ہو جائیں یا سنی شیعہ ہو جائیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان کے درمیان ان کا فروعی و فقہی اختلاف تو رہے لیکن یہ اختلاف دشمنی، عناد تفرقہ اور قتل غارتگری کا سبب نہ بنے۔ اس مختصر سے مقالہ

[1] سورہ انفال: ۴۶

میں ہماری کوشش یہ رہے گی کہ ہم امام رضا علیہ السلام کی سیرت کے تناظر میں اسلامی اتحاد کے لئے چھوڑے گئے آپ کے کچھ نقوش کی طرف اشارہ کریں گے اور آپ کی سیرت سے سبق لیتے ہوئے موجودہ صورت حال کی طرف امت کی توجہ کو مبذول کرنے کی کوشش کریں گے تاکہ آنے والی نسلوں کے لئے وحدت کا مضبوط و مستحکم سائبان تیار ہوسکے اور ہم دور حاضر کے خطرات سے کامیاب و سرخرو ہوکر باہر نکل سکیں۔

امام رضا و اتحاد امت

دوسری صدی ہجری کے آخری پچاس برس تمدنی و تہذیبی لحاظ سے اسلامی امت کے لئے بہت اہم سال شمار ہوتے ہیں۔چونکہ ان برسوں میں ہر روز نت نئے مذاہب و فرقے عالم اسلام کے اندر وجود میں آئے اور علم و دانش کے نام پر طرح طرح کے بیرونی، انحرافی و الحادی افکار مسلم امت کے اندر داخل کرنے کی سعی ناکام کی گئی۔ان نومولود مذاہب و فرقوں میں سے ہر ایک نے اپنے مذہب کی تبلیغ کے لئے جد وجہد شروع کی ۔اصولاً ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ ہر مذہب و فرقہ کے پیروکار اپنے نظریات کو صحیح ثابت کرنے کے لئے علم و منطق کا سہارا لیتے، برہان و استدلال کی بنیاد پر اپنے افکار کی عمارت کو تعمیر کرتے لیکن افسوس ہمیشہ کی طرح ایسا نہ ہوسکا بلکہ علم و منطق کی جگہ دیگر مذاہب پر طعن و تشنیع کا کیچڑ اچھالنا اور برہان و استدلال کی جگہ تکفیر و تفسیق کے ٹھپے لگانا ان کی سرشت بن چکا تھا۔

مکتب اہل بیت (ع) کے آٹھویں قائد، رہبر و امام ہونے کی حیثیت سے امام رضا علیہ السلام کا مقابلہ اس طرح کے انحرافی و خرافی افکار رکھنے والوں سے تھا لہذا آپ نے ایک طبیب حاذق کی طرح امت کی نجات کا نسخہ مسلمانوں کے درمیان رواداری، محبت و الفت کے فروغ، ایک ساتھ مل بیٹھ کر اپنے اختلافات کی خلیج کے بھرنے کو قرار دیا اور آپ نے اس کا سب سے آسان طریقہ و حل یہ پیش کیا کہ پہلے امت کے درمیان ان کے مسلمہ و متفقہ امور کی بنیادوں کو مستحکم کیا جائے اور ان کے اذہان میں دینی نصوص کی جو غلط تفسیر و تاویل بیٹھ گئی ہے پہلے اس کا ازالہ کیا جائے چنانچہ خراسان کے سفر کے دوران جب آپ نیشاپور پہونچے تو افراد امت کا ایک موجیں مارتا ہوا سمندر تھا اور بعض روایات کی بنیاد پر ۲۰ ہزار قلم بدست افراد نے حضرت کی سواری کو گھیر لیا اور عرض گذار ہوئے فرزند رسول! اپنے نانا کی کوئی حدیث بیان کر دیجئے، چنانچہ آپ نے حدیث سلسلۃ الذہب کو بیان فرمایا اور اس کے سب سے پہلے فقرہ میں فرزندان توحید کے لئے درس وحدت و اتحاد دیا، قرآن ناطق کی زبان اقدس کو جنبش ہوئی اور فرمایا:

كلمة لا إله إلا الله حصني فمن دخل حصني أمن من عذابي؛ کلمہ لا الہ الا اللہ میرا مضبوط قلعہ ہے۔جو اس میں داخل ہوا وہ میرے عذاب سے امان پا گیا۔[1]

[1] شیخ صدوق، التوحید، ص ۲۵؛ اربلی، علی بن عیسی، کشف الغمۃ فی معرفۃ الائمۃ، محقق، مصحح، رسولی محلاتی، ہاشم، ج ۲، ص ۳۰۸

اتنا کہہ کر آپ کی سواری آگے بڑھ گئی لیکن لوگ تھے کہ جو سواری کا پیچھا چھوڑنے کو تیار نہ تھے ۔ مجمع کا اصرار مزید بڑھتا گیا تو آپ نے سر اقدس کو محمل سے نکال کر فرمایا: لکن بشروطھا وأنا من شروطھا؛ لیکن یہ یاد رکھنا صرف لا الہ الا اللہ کہہ دینے سے نجات نہیں مل سکتی بلکہ اس کے کچھ شرائط ہیں اور ان میں سے ایک شرط میں بھی ہوں ۔ دراصل آپ نے یہ درس دیا کہ جو امت توحید کو اپنی پہچان اور اپنے سر کا تاج سمجھتی ہے اسے پہلے حقیقت توحید کو تو سمجھ لینا چاہئے تاکہ اس کے تقاضوں کو پورا کیا جا سکے ۔

دوسری روش اور طریقہ جس کے ذریعہ امام رضا علیہ السلام نے امت کے مختلف الفکر افراد اور بکھرے ہوئے لوگوں کو تسبیح کے دانوں کی طرح اکھٹا کرنے کی کوشش کی آپ کے وہ علمی مناظرہ اور گفتگو ہیں جن سے کتب تاریخ و حدیث بھری پڑی ہیں ۔[1]

آپ نے دوران گفتگو نہ کبھی کسی کی توہین و تحقیر کی، نہ کسی کے مذہب پر طعن و تشنیع کی اور نہ کسی فرد کی تکفیر و تفسیق کی، آپ نے کبھی ان ہتھکنڈوں کا سہارا نہیں لیا بلکہ اپنے چاہنے والوں کو ہمیشہ یہ درس دیا، توہین و تحقیر، طعن و تشنیع اور تکفیر و تفسیق کسی عقلمند علم دوست معاشرہ کی علامت نہیں ہیں بلکہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا بہترین ذریعہ مخاطب کو حقیقت سے آگاہ کرنا ہے ۔ طعن، تشنیع اور تشدد کے ذریعہ کچھ دیر کے لئے مخاطب کو بولنے سے روکا تو جا سکتا ہے لیکن کبھی اسے مطمئن کر کے اس کے دل کو تسخیر نہیں کیا جا سکتا، گفتگو و بات چیت کے ذریعہ ہی مسائل کا حل کیا جانا چاہئے، مل بیٹھ کر آپس میں بحث و گفتگو کے ذریعہ ہی غلط فہمیاں دور ہو سکتی ہیں ورنہ طعنوں کا طعنوں سے اور تکفیر کا جواب تکفیر سے دے کر کبھی حقیقت تک کسی کی راہنمائی نہیں کی جا سکتی ۔

تمام آئمہ کرام اور خاص طور پر امام رضا علیہ السلام کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ امت آپسی رواداری کا ثبوت دے، اتحاد و اتفاق سے رہے، ان کے درمیان صلح و دوستی اور بھائی چارہ قائم رہے ۔ کبھی افتراق و اختلاف کی تند و تیز آندھیاں ان کے خرمن امن کو ویران نہ کرے ۔

امام علی رضا علیہ السلام نے ہمیشہ اپنے چاہنے والوں اور پیرو کاروں کو اس امر کی تاکید کی ہے کہ وہ مسلمانوں کے جملہ مراسم میں شرکت کریں ان کے ساتھ اخلاقی و اجتماعی روابط سازگار رکھیں تاکہ امت میں ھمدلی اور یک جہتی کو فروغ مل سکے ۔

حضرت کی زندگی کے بے شمار پہلو اس باب میں ہمارے لئے راہ گشا اور مشعل ہدایت ہیں ۔

مسلمانوں کے باہمی اتحاد و اتفاق، بھائی چارے اور آپسی رواداری کے متعلق امام رضا علیہ السلام کی سیرت کے وہ نقوش موجود ہیں جو رہتی دنیا تک امن پسند معاشرے کے لئے سنگ بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں اور اس راہ میں آپ نے اپنے اجداد طاہرین علیہم

---

[1] رجوع کیجئے: گستاؤ لیبن، تاریخ تمدن اسلام و عرب، ترجمہ: سید ہاشم حسینی، ص۲۱۱؛ شیخ صدوق، عیون اخبار الرضاع، ج۱، ص۱۷۹؛ مجلسی، محمد باقر، بحار الانوار، ج۴۹، ص۱۷۷

السلام کی سیرت کے بھی بعض نمونے پیش کئے ہیں چنانچہ آپ نے اپنے جد امام صادق علیہ السلام کی سیرت کا حوالے سے بیان فرمایا کہ میرے جد نے اپنی اولاد کو ان الفاظ میں وصیت کی تھی:

ایاکم و التفرق والشتات فتذهب همتكم وتقل قيمتكم ويهين قدركم؛ تم تفرقہ اور اختلاف سے پرہیز کرنا چونکہ یہ تمہاری ہمت کے کم ہونے، تمہارے وزن کے سبک ہونے اور تمہاری قدر و منزلت کے کم ہونے کا سبب بنتی ہے[1]

آپ نے نہ صرف یہ کہ اپنی زبان لسان الٰہی سے لوگوں کو اتحاد کی دعوت دی بلکہ آپ نے مذہبی عبادات اور خاص طور پر وہ عبادتیں جنہیں باجماعت انجام دینے کی تاکید کی گئی ہے ان کو بھی ذریعہ اور روش اتحاد و یکجہتی کے طور پر امت کے سامنے پیش کیا ہے چنانچہ آپ نے عید الفطر کے دن مسلمانوں کا ایک ساتھ مل کر دوگانہ عید ادا کرنے کو نوید وحدت بنا کر پیش کیا اور اسے امت کے لئے ایک عظیم سرمایہ قرار دیا چنانچہ آپ نے فرمایا:

إِنَّما جُعِلَ يَومُ الفِطرِ العِيدَ لِيَكونَ لِلمُسلِمينَ مُجتَمَعا يَجتَمِعُونَ فيهِ و يَبرُزونَ لِلّٰهِ فَيُمَجِّدُونَهُ عَلى ما مَنَّ عَلَيهِم؛ فطر کے دن کو اللہ تعالی نے اس وجہ سے عید کا دن قرار دیا ہے تاکہ مسلمان اس میں ایک دن اکھٹے ہوں اور ایک ساتھ مل جُل کر خدا کی عبادت کے لئے صحرا میں جائیں اور اللہ کی اس نعمت پر اس کی حمد و تعریف بجا لائیں جو اس نے ان کے لئے نازل کی ہے۔[2]

صرف یہ ہی نہیں کہ امام رضا علیہ السلام نے دینی عقائد و اعمال کو محور اتحاد قرار دیا بلکہ آپ نے انسانی برابری اور عدالت اجتماعی کو بھی تقریب و اتحاد میں ایک اہم عنصر کے طور پر پیش کیا ہے۔

آپ کی نظر میں اگر بنی نوع بشر ایک دوسرے کو اپنا بھائی سمجھیں اور خود کو دوسروں پر برتر نہ جانیں تو اتحاد کی فضا جلد ہموار ہو سکتی ہے آپ کے مطابق ایسے معاشرہ میں کبھی اتحاد و یکجہتی کا درخت تناور نہیں ہو سکتا جس میں ظلم پایا جائے، جس میں عدم مساوات پائی جائے، جس کے رہنے والے گورے کالے، عرب و عجم جیسی توہماتی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہوں لہذا آپ نے اخوت و برادری کا سبق دیا اور ہر طرح کے تفوق کی نفی فرمائی ہے[3]

البتہ ایسا بھی نہیں ہے کہ معاشرے کے سارے کے سارے لوگ ایک ہی مرتبہ پر فائز ہوں بلکہ آپ نے قرآنی اصول تقوی پر خاص تاکید کی ہے چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا:

---

[1] مجلسی، محمد باقر، بحار الانوار، ج ۱۴، ص ۵۳

[2] شیخ صدوق، من لایحضرہ الفقیہ، ج ۱، ص ۵۲۲

[3] ابن شعبہ حرانی، حسن بن علی، تحف العقول، ص ۳۴۱

خدا کی قسم روئے زمین میں حسب کے اعتبار سے کوئی آپ پر برتری نہیں رکھتا، آپ نے فرمایا: خداوند عالم نے میرے آباء و اجداد کو تقوے کی بناپر برتری دی تھی اور خدا کی اطاعت نے انھیں اس مقام تک پہونچایا ہے۔[۱]

ظاہر سی بات ہے فرزند رسول کی یہ روش و طریقہ معاشرہ سے بغض و حسد اور طبقاتی اختلاف کو ختم کردیگا اور آپسی کدورتوں اور کینوں کو نابود کردے گا اور امت اسلامی میں فرقہ سازی کے عمل سے بچائے گا۔[۲]

آپ انسانی بنیاد اور بشری اساس پر معاشرہ میں اتحاد کے خواہاں تھے، آپ کبھی یہ پسند نہیں فرماتے تھے کہ امت میں نسل پرستی اور قومی تفوق وفروغ ملے، زبان اور لہجہ کی بنیاد پر کسی کے اندر احساس برتری پیدا ہوجائے، لباس دیکھ کر افراد معاشرہ کے درمیان شرافت کے طمغے تقسیم کئے جائیں، آپ نے عملاً اپنے گھر سے اس مہم کا آغاز کیا اور جب بیت الشرف میں دسترخوان بچھتا تھا تو جس دسترخوان پر خود کھانا تناول فرماتے اسی پر گھر میں کام و خدمت کرنے والے غلام آپ کے شریک غذا ہوا کرتے تھے۔

اگرچہ مامون جیسے ظالم کے دربار میں اس روش پر عمل کرنا اور اسلام کی سچی تصویر لوگوں کے سامنے پیش کرنا بہت سخت تھا، چونکہ آپ کے اس عمل سے مامون کے معین کردہ غلام و خادم یہ بات سمجھنے لگے تھے کہ سچے رہبر و امام، حضرت رضا علیہ السلام ہیں اور اسلام میں برتری و امتیاز کسی منصب سے نہیں ملتی بلکہ تقوی، ایمان اور عمل صالح برتری کا معیار ہے۔[۳]

قارئین کرام! یہ ایک تفصیلی موضوع ہے، اگر ہم امام رضا علیہ السلام کی سیرت کے تناظر میں اسلامی اتحاد کے لئے کی گئی آپ کی کاوشوں کو اکھٹا کریں تو کئی دفتر رقم ہوسکتے ہیں۔

بہرحال اس مقالہ میں ہم نے صرف چند نمونوں پر اکتفاء کیا اس امید کے ساتھ کہ اللہ تعالی ہمیں امام رضا علیہ السلام کی سیرت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اعتلائے پرچم حق اور دفاع مکتب حق کی توفیق نصیب ہو۔ آمین

---

[۱] شیخ صدوق، عیون اخبار الرضاع، ج۱، ص ۲۲۶

[۲] قرشی، باقر شریف، پژوہشی دقیق در زندگی امام رضاع، ترجمہ: سید محمد صالحہ، ص ۱۴۵

[۳] شیخ صدوق، ج۱، ص ۱۷۰

تحریر: آیۃ اللہ محمدی اشتہاردی
ترجمہ: مولانا امتثال رضا نجم آبادی

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام ثقافتی انقلاب کے بانی

- اشارہ:

خاندان نبوت کے بارہ ائمہ میں امام محمد باقرؑ کو خاص امتیازات حاصل تھے آپ کی مادر گرامی فاطمہ سلسلہ امامت کی دوسری کڑی امام حسن کی بیٹی تھیں لہذا ماں باپ دونوں طرف سے آپ عظمت پیغمبر اکرم کے وارث سمجھے جاتے تھے، اک معتبر حدیث میں جو حدیث لوح کے نام سے مشہور ہے پروردگار عالم نے آپ کی عظمت شان کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: **وابنه شبه جده المحمود محمد، الباقر علمي والمعدن لحكمتي**[1] ان (امام سجادؑ) کے فرزند اپنے محبوب جد بزرگوار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شبیہ یعنی امام باقر میرے علم کو شگافتہ کرنے اور میری حکمت کے معدن ہیں۔

امام جعفر صادق نے فرمایا: **ان لابي مناقب ليست لاحد من آبائي**[2] میرے پدر بزرگوار امام باقر کے لئے ایسے فضائل و مناقب ہیں جو دیگر آباواجداد کو حاصل نہیں ہیں۔

انھیں وجوہات کی بنا پر امام خمینیؒ نے اپنے سیاسی والہی وصیت نامہ میں امام محمد باقر کی مخصوص عظمت کو یاد کرتے ہوئے تحریر فرمایا: ہمیں فخر ہے کہ تاریخ کی عظیم ترین شخصیت جس کے مقام و مرتبہ کو خدا اور رسول اور ائمہ اطہار کے علاوہ کسی کو پتہ نہیں ہے وہ باقر العلوم ہمارے پاس ہے[3]

اب ہم ان کلمات کے اسرار و رموز کی توضیح و تشریح اس امید کے ساتھ بیان کریں گے کہ کچھ امام باقرؑ کی سیرت کے زندگی ساز اسباق سیکھ سکیں۔

- عصر امام باقرؑ:

معاویہ اور اس کے بعد فضائل کو محو کرنے والے ظالم و جابر حکمرانوں کے دور حکومت میں حقیقی اسلام مکمل متروک ہو رہا تھا، زندگی کا ہر شعبہ تاریک، جہل، عصبیت، فریب، زر و جواہر، طاقت و قوت، اور مختلف النوع کجروی و پلیدی میں عالم اسلام غوطہ زن تھا بنی امیہ نے فکروں کو مسموم اور فرہنگی حملوں سے عقل و شعور کا اغوا کر لیا تھا یزید اور شرک و نفاق کے رسیا نے جگر گوشہ رسول امام حسینؑ اور انکے باوفا اصحاب کو نہایت ناگفتہ بہ حالات میں قتل کر دیا اسلامی اقدار تار تار ہو گئے غیر آئینی حکومت چلتی رہی، شراب و شباب، رقص و سرور کی محفلیں سجائے رہے، اسلام کے نام پر تعلیمات محمدی و علوی کا اپنے ناپاک عزائم کی بھینٹ چڑھاتے رہے، حالات اتنے

---

[1] اصول کافی، ج۱، ص ۵۴۸
[2] بحار الانوار، ج ۴۶، ص ۲۲۸
[3] وصیتنامہ الہی و سیاسی امام خمینی، ص ۳

دگرگوں ہوگئے تھے کہ امام حسین کا نام لینے پر قدغن لگادی گئی، خاندان رسالت و نبوت کے بابرکت آثار مٹانے کی ہر ممکن کوششیں ہوتی رہیں۔

کربلا کے خونچکاں واقعہ کے بعد امام سجاد کی مظلومیت کا عالم یہ تھا کہ مدینہ میں چار افراد آپ کے پاس آتے تھے جبکہ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ آپ کے درس میں لوگوں کا اژدحام ہوتا اور آپ کے فیوض سے مستفیض ہوتے امام جعفر صادقؑ نے ان حالات کی منظر کشی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ارتد الناس بعد الحسین الا اربعة ابو خالد الکابلی ویحیی بن ام الطویل وجبیر بن مطعم وجابر بن عبد الله انصاری ثم ان الناس لحقوا و کثروا[1] شہادت امام حسین کے بعد سارے افراد جادہ حسینی سے منحرف ہوگئے سوائے چار افراد کے: ابوخالد کابلی، یحیی بن ام طویل، جبیر بن مطعم و جابر بن عبد اللہ انصاری، پھر دھیرے دھیرے لوگ ان سے ملحق ہوتے گئے اور تعداد بڑھتی گئی۔

شہادت حسینی کے بعد اموی سلاطین کی ڈکٹیٹر شپ کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے خوف وہراس، جہل و دنیا پرستی، و دیگر وجوہات کی بنیاد پر خاندان رسالت سے دوری بنالی گئی، کچھ تو دشمنان آل کی صف میں جاکھڑے ہوئے اور کچھ کا رویہ غیر منصفانہ تھا بعض حیرانی و اضطراب کے دریا میں ہچکولے لے رہے تھے کچھ وہ بھی تھے جنھوں نے زبان اعتراض کھول دی کہ کیوں قیام کیا؟ اس کا کیا فائدہ ہوا؟ انکی جہالت اور تیرگی قلب و دماغ اس مقام پر تھی کہ وہ مچھر کے خون کی نجاست و طہارت کو جاننا چاہتے لیکن شہدائے کربلا کا خون بے دریغ کیوں بہایا گیا، کس نے بہایا؟ اس کو جاننے کی مطلق فکر نہ تھی۔ مروی ہے کوفہ کے ایک شخص نے اس دور کے دانشمند ابن عمرو سے مچھر کے خون کا فقہی حکم جاننا چاہا تو اس نے حاضرین کو خطاب کرتے ہوئے کہا اس کوفی کو دیکھو مجھ سے مچھر کے خون کے بارے میں دریافت کر رہا ہے لیکن فرزند رسول حضرت امام حسین کو قتل کیا گیا اس سلسلہ میں نہیں پوچھتا ہے[2]

ان روایات سے یہ بات بہر حال واضح ہوجاتی ہے کہ اکثریت دین و خاندان رسالت سے دور ہوچکی تھی صرف چار ہی افراد امام سجادؑ کی بارگاہ میں باقی رہ گئے تھے ایسے حالات میں سب سے پہلے ایک وسیع و عمیق فرہنگی انقلاب کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی تاکہ لوگوں کو محمدی و علوی اسلام اور بنی امیہ کے جابر و ظالم حکام کے خود ساختہ اسلام کا باہمی فرق معلوم ہوجائے اور حقیقی اسلام کو تاریکیوں سے نکال کر شاہراہ روشن پر لے آیا جائے نور ولایت ائمہ معصومینؑ سے دنیا روشن و منور ہوجائے یہ عظیم کام اسی وقت ممکن تھا جب ایک جامع و وسیع فرہنگی انقلاب برپا ہو۔

- **انقلاب فرہنگی کی راہیں ہموار کرنا:**

---

[1] بہجۃ الآمال، ج ۲، ص ۴۸۴۔ معجم رجال الحدیث خوئی، ج ۲، ص ۹۹۔ سفینۃ البحار، ج ۱، ص ۳۶۸

[2] بحار الانوار، ج ۴۳، ص ۲۶۲

امام سجادؑ نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے خون شہدائے کربلا کے عہد آفرین پیغام کے زیر سایہ ایک فرہنگی انقلاب کی راہیں ہموار کیا لیکن اس زمینہ سازی کے عمل میں خاندان نبوت کی ایک عظیم ہستی کی قیادت و سرپرستی ضروری تھی تا کہ انکی حمایت و تائید سے ایک یونیورسٹی کی تاسیس کی راہ آسان اور تربیت افراد کا کام سہل ہو جائے، پردے چاک ہوں حقیقی اسلام کے علوم و معارف آشکار ہو جائیں دنیا کی نگاہیں دیکھ لیں وہ عظیم ہستی جس کو اللہ نے اس وسیع انقلاب کیلئے ذخیرہ کیا تھا امام محمد باقرؑ کی ذات والاصفات تھی، چار برس کی عمر میں کربلا میں موجودگی اور واقعہ کربلا کے چشم دید گواہ، مخدرات عصمت و طہارت کے ہمراہ اسیر ہو کر کوفہ و شام کا سفر کیا اپنے پدر بزرگوار امام سجادؑ، پھوپھی جناب زینبؑ و ام کلثومؑ کے خطبات سنے اور اس بات کا بخوبی اندازہ کر لیا تھا کہ تاریخ اسلام ماضی کی تاریکی کی طرف لوٹ گئی ہے اب شہدائے کربلا کی نصرت کیلئے اٹھنا چاہئے اور انکے بلند و بالا مقصد اسلام کی بالادستی کو عملی جامہ پہنانا ضروری ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بارہا آپ کو باقر العلوم (علوم کو شگافتہ کرنے والے) کے لقب سے یاد فرمایا، مشہور و معروف صحابی جابر بن عبد اللہ انصاریؒ نے متعدد بار پیغمبر اسلام کی حدیث لوگوں سے بیان کیا تا کہ ذہنی طور پر بیدار ہو جائیں اور پروانہ وار شمع علوم و معارف امام باقرؑ کے گرد جمع ہو کر حقیقی چشمہ سے آب زلال اسلام گھونٹ گھونٹ پی سکیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جابر سے فرمایا تھا: انك ستدرك رجلا منی اسمه اسمی وشمائله شمائلی یبقر العلم بقرا[1]

میرے خاندان کی اس فرد سے ملاقات کرو گے جو میرا ہم نام و ہم شکل ہو گا وہ علوم کو شگافتہ کرے گا، علم و دانش کی توضیح و تشریح کرے گا۔

اللہ نے جناب جابر کو طولانی عمر عطا فرمایا امام باقر کی ولادت ہوئی عالم طفلی تھا کہ جناب جابرؓ امام سجادؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ کو دیکھ کر فرمایا: بابی انت وامی ابوك رسول الله یقرئك السلام ویقول ذلك.....[2]

میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ کے جد بزرگوار رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو سلام بھیجا ہے اور اسطرح فرمایا ہے۔۔۔۔

صحابی رسول جابرؒ نے کئی بار امام باقرؑ سے ملاقات کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث اور سلام کہلانے کی بات دھراتے رہے 'باقر العلوم' کی تکرار کرتے رہے تا کہ زبان زد ہو جائے، لوگوں کے دل انکی باتوں کو قبول کرنے اور فرہنگی انقلاب کے لئے آمادہ و تیار رہیں۔

ایک روز امام باقرؑ کے پاس آئے اور عرض کیا: "یا باقر اشهد بالله انك قد اوتیت الحكم صبیا"

اے علوم کو واضح کرنے والے میں اللہ کو گواہ بنا تا ہوں کہ آپ کو خرد سالی میں حکمت و دانش سے سرفراز کیا گیا ہے۔

---

[1] اصول کافی، ج ۱، ص ۴۶۹

[2] ۔ حوالہ سابق

دوبارہ امام محمد باقر کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عرض کیا: یا باقر انت الباقر حقا انت الذی تبقر العلم بقرا [1] اے باقر آپ واقعاعلوم کو شگافتہ کرنے والے ہیں، علم کی گہرائی میں عمیق شگاف پیدا کرنے والے، علم کے پوشیدہ اسرار و رموز کو واضح کرنے والے ہیں۔

ان تمام باتوں کا تعلق زمانہ آئندہ سے تھا جس کے ذریعہ دلوں کو آمادہ اور توجہات کو مبذول کرانا مقصود تھا تاکہ اسلامی سماج میں بسنے والے افراد آپ کی ملکوتی، علمی شخصیت و جلالت کو پہچان لیں اور جس فرہنگی انقلاب کی کرن پھوٹنے والی ہے اس کے لئے تیار رہیں۔

- اور کرن پھوٹ گئی:

امام محمد باقرؑ نے بنی امیہ اور بنی عباس کی باہمی رقابت، حصول حکومت کی تگ و دو سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک یونیورسٹی کی تاسیس اور تربیت افراد کا عمل شروع کر دیا جو بعد میں ایک وسیع و عمیق فرہنگی انقلاب کی بنیاد قرار پایا، عصر امام صادقؑ میں اس یونیورسٹی کے طلبہ کی تعداد چار ہزار سے متجاوز ہو گئی [2]

امام محمد باقرؑ نے محمد بن مسلم، زرارہ، ابوبصیر، جابر بن یزید جعفی، ابان بن تغلب، حمران بن اعین، سدیر صیرفی، ابوصباح کنانی، عبد اللہ بن ابی یعفور، و۔۔۔ جیسے عظیم المرتبت شاگردوں کی ایک فوج تیار کیا جسمیں جلیل القدر فقیہ، ماہر محدث، دل آگاہ عرفا نظر آتے ہیں جنھوں نے حقیقی اسلام و فرہنگ تشیع کی نشر و اشاعت میں اہم کردار ادا کیا۔ جابر جعفی کا بیان ہے: اٹھارہ سال سردار انسانیت حضرت امام باقرؑ کی خدمت پر فیض میں رہ کر آپ کے خرمن فیض سے خوشہ چینی کرتا رہا جب مدینہ سے کوفہ کی جانب لوٹنے کے ارداہ سے خدا حافظی کا وقت آیا تو امامؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا مولا کچھ فیض عطا کر دیں امامؑ نے فرمایا اٹھارہ برس کافی نہیں؟ میں نے عرض کیا مولاؑ آپ تو ایسا بحر ذخار ہیں جسکا پانی کم نہیں ہوتا جسکی گہرائی و گیرائی تک رسائی محال ہے امامؑ نے فرمایا : بلغ شیعتی عنی السلام واعلمهم انه لاقرابة بيننا وبين الله ولايتقرب اليه الا بالطاعة له يا جابر من اطاع الله واحبنا فهو ولينا ومن عصى الله لم ينفعه حبنا۔ میرے شیعوں کو میرا سلام کہنا اور انھیں بتا دینا ہمارے اور خدا کے درمیان کسی قسم کی قرابتداری و رشتہ داری نہیں، اللہ سے نزدیک صرف اطاعت و عمل کے ذریعہ ہو سکتے ہیں اے جابر جو اللہ کا مطیع اور ہمارا محب ہو گا وہی ہمارا دوست ہو گا جو اللہ کی نافرمانی کرے گا اسکو ہماری محبت و دوستی فائدہ نہیں پہونچائے گی۔

بیان کیا جاتا ہے کہ جابرؓ نے ستر ہزار (۷۰۰۰۰) احادیث امام محمد باقرؑ سے یاد کی تھیں [3]

---

[1] ۔ علل الشرائع، ج۲، ص ۲۳۳۔ بحار الانوار، ج۴۶، ص ۲۲۵

[2] ۔ رجال کشی، ص ۱۲۵

[3] سفینۃ البحار، ج۱، ص ۱۴۲

ابان ابن تغلب امام محمد باقرؑ کے جلیل القدر صحابی جن سے امامؑ نے فرمایا تھا: **اجلس فی المسجد المدینة وافت الناس فانی احب ان یری فی شیعتی مثلک**[1] مسجد مدینہ میں بیٹھکر لوگوں سے فتویٰ بیان کرو کہ میں اپنے شیعوں میں تم جیسے افراد دیکھنا پسند کرتا ہوں۔

مدینہ میں امام محمد باقرؑ کی علمی نشست، فکری تحریک اور جلسات درس و بحث اس بلندی پر تھے کہ اس دور کے اعاظم علماو دانشور ہیچ اور بونے نظر آتے تھے ان میں سے حکم ابن عتیبہ ایک تھا، عطانامی دانشمند بیان کرتا ہے: "**رایت الحکم عندہ کانہ عصفور مغلوب**"[2] حکم ابن عتیبہ کو بارگاہ امام باقرؑ میں ہزیمت خوردہ چڑیئے کے مثل دیکھا۔

عصر امام باقرؑ کے عظیم سنی عالم دین عبد اللہ ابن عطا مکی کا بیان ملاحظہ کریں: حکم ابن عتیبہ کو اپنی تمامتر علمی جلالت و سطوت جو اپنی قوم میں رکھتا تھا امامؑ کے حضور ایک بچہ کی مانند زانوئے ادب تہ کئے زمین پر بیٹھا پاتا ہوں جو امامؑ کی شخصیت سے مرعوب اور کلام کا شیفتہ و شیدائی ہو[3] امام باقرؑ کی بنا کردہ یونیورسٹی کے علمی، اخلاقی، سیاسی، سماجی اثرات واضح و عمیق تھے جس کے معترف سارے افراد نظر آتے ہیں کہ رسول خدا نے صحیح فرمایا تھا کہ امام باقرؑ علم و دانش کے شگافتہ کرنے والے ہیں۔

امامؑ نے حق بیانی، مسائل کی وضاحت کے حوالہ سے صریح و قاطعانہ انداز اختیار فرمایا، اصولی موضوعات پر کسی بھی قسم کے ابہام و مسامحہ سے کام نہیں لیتے اسی قاطعانہ رویہ کے باعث ہمعصر حکام جور و جفا کے ہاتھوں ایذا رسانی، غم و غصہ کو برداشت کرتے رہے اور آخر کار دسویں اموی خلیفہ ہشام بن عبد الملک کے حکم سے زہر دغا دیا گیا اور درجہ شہادت کو زینت بخشا امام بالصراحت فرماتے تھے: "**نحن خزنة علم الله وولاة امر الله وبنا فتح الاسلام وبنا یختمہ**"[4] ہم خزانہ دار علم الہی، ولی امر ربانی ہیں اسلام کا آغاز و اختتام ہمارے وسیلہ سے ہے۔

---

[1] ـ حوالہ سابق، ص ۷

[2] ـ اعیان الشیعہ، ج۱، ص ۶۵۱

[3] اعلام الوریٰ، ص ۲۶۳

[4] ـ حوالہ سابق، ص ۲۶۲

مولانا سید اعجاز مہدی

عید قربان اور تہذیب نفس

اس مقالہ میں ہم عید قربان اور تہذیب نفس کے متعلق بیان کریں گے مقالہ کے کلیدی الفاظ عید، قربانی، تہذیب اور نفس وغیرہ ہونگے سب سے پہلے عید اور تہذیب نفس کا مفہوم اور پھر ان میں کیا رابطہ کیا ہے اس کو ذکر کریں گے

لغت میں عید کے معنٰی: رجوع اور بازگشت کے ہیں جبکہ عرف مسلمین میں چند خاص دنوں پر عید کا اطلاق ہوتا ہے جن میں پہلی شوال "عید الفطر" اور ذی الحجہ کی دسویں تاریخ "عید قربان" کے نام سے موسوم ہے

قربان کے معنٰی: قربانی یا ہر وہ چیز جس سے اللہ کی قربت حاصل ہوتی ہے اس طرح عید قربان کا مفہوم تقرب الٰہی کی جانب بازگشت ہے

جس کے حصول کی خاطر مکہ مکرمہ حج کے لئے جاتے ہیں جہاں طواف، سعی، وقوف، قربانی اور دیگر امور حج انجام دینے کے بعد نماز عید قربان بجالاتے ہیں سید الساجدین امام زین العابدینؑ نے اپنی مخصوص دعا میں اس کو مبارک دن سے تعبیر کیا ہے۔"اللهم هذا يوم مبارك ميمون"[1]

عید قربان کی اہمیت اور فضیلت:

عید قربان وہ دن ہے جس دن حضرت ابراہیمؑ نے خداوند کریم کے سامنے اپنے آپ کو تسلیم کردیا اور تقویٰ کی دھار سے اپنے نفس کو ذبح کردیا اس دن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے سچے خواب کی تعبیر کو پورا کرنے کے لئے اپنے عزیز ترین بیٹے اسمٰعیلؑ کو قربان کرنے کے لئے زمین پر لٹا کر گلے پر چھری رکھدی لیکن خدا نے دنبہ بھیج کر اسمٰعیلؑ کو بچالیا مگر ان کی قربانی کو قبول فرمایا کیونکہ انھوں نے خواب سچ کردکھایا آج اس عظیم قربانی کی یاد کو دنیا بھر کے مسلمان بڑی شان و شوکت کے ساتھ عید کی صورت میں مناتے ہیں خوشیاں مناتے ہیں نیا لباس پہنتے ہیں عبادت انجام دیتے ہیں جشن کرتے ہیں گوسفند، بھیڑ، بکری، اور اونٹوں کی قربانی کرتے ہیں قربانی کا گوشت تقسیم کرتے ہیں عید قربان وہ پاکیزہ عید ہے جس میں خدا کی عبادت، اطاعت اور بندگی کی جاتی ہے اس دن انسان تقویٰ اور پرہیزگاری کے ذریعہ دوبارہ جنم لیتا ہے کیونکہ وہ اپنے شیطانی نفس کو قربان کردیتا ہے قربانی ایک بڑا عمل ہے اس کو حج کے اعمال میں ایک مخصوص مقام حاصل ہے اگرچہ انسان بظاہر ایک دنبہ، گوسفند یا اونٹ قربانی کرتا ہے لیکن در حقیقت وہ نفس امّارہ کی قربانی کرتا ہے شب عید قربان غسل کرنا، دو رکعت نماز پڑھنا، پھر عید فطر کی طرح عید قربان کے روز دو

---

[1] صحیفہ سجادیہ دعا ۴۸

رکعت نماز پڑھنا بتاتا ہے کہ اللہ کی عبادت اور اطاعت کے ذریعہ انسان نے اپنے نفس کا تذکیہ کرلیا ہے اسے ادب وتہذیب سکھایا ہے اور وہ اللہ سے نزدیک ہوگیا ہے۔

قربانی کرنا اس قدر اہمیت اور فضیلت کا حامل ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ امام حسینؑ اور امام محمد باقرؑ قربانی کے گوشت کو تین حصوں میں تقسیم کرتے تھے ایک حصہ پڑوسیوں کے لئے ایک حصہ ضرورت مندوں اور محتاجوں کے لئے ایک حصہ اپنے گھر والوں کے لئے رکھتے تھے۔

حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا اگر لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ عید قربان کی کیا اہمیت اور فضیلت ہے کس قدر آثار وبرکات ہیں تو قرض لیکر قربانی کرتے۔

عن ابی عبداللہ: قال قال رسول اللہ ۔شعبان شھری و رمضان شھر اللہ وھو ربیع الفقراء وانما جعل الاضحی لشبع مساکینکم من اللحم فاطعموھم:

امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا شعبان ہمارا مہینہ ہے اور ماہ رمضان اللہ کا مہینہ ہے اور ضرورت مندوں و فقیروں کی بہار ہے اور عید قربان کو اس لئے قرار دیا گیا ہے تاکہ قربانی کے گوشت کے ذریعہ مسکینوں کو شکم سیر کیا جاسکے۔

عن ابی الحسن موسیٰ علیہ السلام قال قال رسول اللہ لام سلمه وقد قالت له یا رسول اللہ نحضر الاضحی ولیس عندی ما اضحی به فاستقرض واضحی؟ قال فاستقرض فانه دین مقضیٰ!

امام رضا علیہ السلام سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ام سلمہؓ سے فرمایا جب امّ سلمہؓ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ عید قربان نزدیک آگئی ہے اور ہمارے پاس قربانی کرنے کے لئے کچھ بھی نہیں ہے کیا ہم قرض لیکر قربانی کرسکتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ ہاں آپ قرض لیکر قربانی کرسکتی ہیں کیونکہ یہ قرض ایسا ہے جو ادا ہو جاتا ہے۔

عن شریح ابن ھانی: عن علی علیه السلام انه قال لو علم الانسان ما فی الاضحیة لاستدانوا وضحوا انه لیغفر لصاحب الاضحیة عند اوّل قطرہ تقطر من دمھا:

شریح ابن ہانی نے امیر مومنان علیہ السلام سے نقل کیا ہے ”اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ قربانی کے کیا اثرات و برکات ہیں تو یقیناً قرض لیتے اور قربانی کرتے کیونکہ جب قربانی کے خون کا پہلا قطرہ زمین پر گرتا ہے تو قربانی کرنے والے کے تمام گناہوں کو بخش دیا جاتا ہے“

عید قربان تمام مسلمانوں کی عید :

عید قربان تمام مسلمانوں کی عید ہے اس نماز کی مخصوص قنوت میں ہم دعا کرتے ہیں "اللھم انی سئلك بحق هٰذا الیوم الّذی جعلته للمسلمین عیدا وّلمحمّد صلّی الله علیه وآله وسلّم ذخرا وّشرفا وّ کرامة وّمزیدا"، پروردگار اس روز کا واسطہ کہ تونے اس دن کو مسلمانوں کے لئے عید قرار دیا ہے اور محمدؐ وآل محمدؐ کے لئے ذخیرہ، شرافت، کرامت اور فضیلت قرار دیا ہے اس لئے یہ عید صرف صاحبان ایمان سے مخصوص نہیں ہے بلکہ دنیا کے تمام مسلمانوں سے تعلق رکھتی ہے جو اتحاد و بھائی چارگی اور وَاعْتَصِمُواْ بِحَبْلِ اللّهِ جَمِيعًا وَلاَ تَفَرَّقُواْ[1]۔ (اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھامے رہو اور آپس میں اختلاف اور تفرقہ پیدا نہ کرو) کا بہترین مصداق ہے۔

قربانی اور تربیت نفس

انسان جب گوسفند، اونٹ وغیرہ قربان گاہ میں لے جاکر ذبح یا نحر کرتا ہے تو وہ سنّت ابراہیمؑ کو بجالاتا ہے جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے "فمن تمتّع بالعمرة إلى الحجّ فما استيسر من الهدي"[2]

لیکن یہ در حقیقت اپنی ہوا و ہوس، خواہشات نفس کی قربانی ہے کیونکہ یہ عمل اللہ سے قریب ہونے کا ذریعہ ہے جیسا کہ امام سجادؑ نے شبلی سے فرمایا جب اس نے منیٰ کے میدان پر قربانی پیش کی اور آپؑ سے پوچھا کیا ہم نے اپنی قربانی کو صحیح انجام دیا ہے تو آپؑ نے دریافت کیا: کیا تم نے جانور کی قربانی کے وقت یہ ارادہ کیا کہ میں در واقع ورع و پرہیز گاری کے ذریعہ لالچ اور حرص کے گلے پر چھری چلارہا ہوں اگر تم نے ایسا کیا تو تمہاری قربانی بارگاہ خداوندی میں قبول ہے۔[3]

قربانی، مساوات وبرابری ایجاد کرنے کا سبب

قربانی مساوات اور برابری ایجاد کرنے کا ذریعہ ہے کیونکہ قربانی کو تین حصوں میں برابر تقسیم کیا جاتا ہے۔ دو حصے مسکینوں اور فقیروں اور ضرورتمندوں کو دیا جاتا ہے اور ایک حصہ اپنے اہل وعیال کے لئے رکھا جاتا ہے اس طرح قربانی کا گوشت ضرورتمندوں میں تقسیم کرنا خدا سے نزدیک کرتا ہے، معاشرہ میں عشق و محبت اور برابری وبرادری کا درجہ قائم کرتا ہے امیر و غریب کا فرق مٹ جاتا ہے لوگوں کے درمیان نیکیاں انجام دینے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے بھوکوں، مسکینوں، ضرورتمندوں کا پیٹ بھر جاتا ہے۔ اس سے مساوات و برادری وبرابری کا درس ملتا ہے جیسا کہ مساوات وبرابری کے سلسلہ میں رسول اکرمؐ نے حجۃالوداع کے خطبے میں فرمایا ہے۔

---

[1] سورہ آل عمران آیت نمبر ۱۰۳

[2] سورہ بقرہ آیت نمبر ۱۹۶

[3] مستدرک جلد ۱۰ صفحہ ۱۷۱

اے لوگوں تمہارا خدا ایک اور یکتا ہے تمہارا باپ ایک ہے تم سب حضرت آدمؑ کی اولاد ہو آدم مٹی سے پیدا ہوئے تم سب بھی مٹی سے پیدا کئے گئے ہو لہٰذا عرب اور عجم کے درمیان کوئی فرق اور امتیاز نہیں ہے فرق ہے تو صرف فضیلت اور تقویٰ کے لحاظ سے ہے حج میں قربانی کا عمل اجتماعی اور سماجی عدالت اور انصاف کا پیغام ہے جو مسلمانوں کے درمیان مساوات و برابری اتحاد و بھائی چارگی کا بہترین ذریعہ ہے۔

حیوان انسان کی قربانی اور انسان خدا کی قربانی:

انسان جب کسی حیوان کو ذبح کرتا ہے تو اللہ کا نام لیتا ہے اور بسم اللہ.... کہہ کے اپنے حیوان کو ذبح کرتا ہے کیونکہ اللہ فرماتا ہے "وَمَا لَكُمْ أَلَّا تَأْكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ"[1] اور وہ ذبیحہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو اور "وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ"[2] اور جس جانور پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اس میں سے مت کھاؤ۔

روایات معصومینؑ میں بھی اس کا فرمان دیا گیا ہے اور سارے علماء کا بھی یہ ہی فتویٰ ہے کہ حیوان کو ذبح کرتے وقت بسم اللہ کہنا ضروری ہے عرب کے مشرکین حیوانات کو ذبح کرتے وقت (لات و عزّیٰ) کا نام لیا کرتے تھے اسلام نے اس عادت کو ختم کیا اور اللہ کے نام سے ذبیحہ کو حلال قرار دیا اور پھر ہر کام کے آغاز میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہنا باعث برکت قرار پایا۔ لیکن اگر انسان خدا کے لئے اپنے نفس کی قربانی دے یعنی حکم الٰہی کی خاطر اپنی خواہشات کا سر قلم کردے تو یہ نفس کی قربانی ہوگی اور انسان خدا کی قربانی کہلائے گا جو تہذیب نفس سے میسر ہوتی ہے اور تہذیب نفس کا مطلب اپنے کو برے اخلاق اور شیطانی صفات سے پاکیزہ بنانا ہے، نفس کی قربانی ہے جیسا کہ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: "واذبح حنجرتی الهوی والطمع عندالذبیحه" کہ قربانی کے وقت خواہشات نفس اور لالچ و طمع کی گردن اڑادو[3]۔

جس طرح منیٰ کو قربانی کی جگہ سمجھا جاتا ہے اسی طرح نفس کی قربانی، دنیاوی تعلقات، شیطانی وسوسہ اور نفسانی خواہشات سے دوری کا نام ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ انسان گوسفند کو ذبح کرکے بالا مقام تک پہنچتا ہے اور نفس کو ذبح کرنے سے کمال انسانیت تک پہنچتا ہے۔

ملا نراقی کہتے ہیں: اس قربانی اور ذبح کے ذریعہ انسان اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اس نے نفس امّارہ پر غلبہ پالیا ہے اور عذاب الٰہی سے نجات پاگیا ہے راہ خدا میں جانی، مالی اور روحانی فداکاری انبیاء کا شیوہ ہے وہ دل وجان سے حکم خدا کے آگے تسلیم رہے قربانی بندے کے دل میں تسلیم و رضا ایجاد کرتی ہے اور یہ حالت خوف خدا، اس کی عظمت

---

[1] سورہ انعام آیت نمبر ۱۱۹

[2] سورہ انعام آیت نمبر ۱۲۱

[3] مصباح الشریعہ صفحہ ۹۲

وجلالت پر توجہ اور مشکلات و سختی میں صبر کرنے سے پیدا ہوتی ہے قربانی کا مطلب راہ خدا میں اپنا سب کچھ قربان کر دینا ہے جیسا کہ جناب ابراہیمؑ نے کیا ہے۔
تہذیب نفس کی علامات کو امام صادق علیہ السلام کی مندرجہ ذیل روایت سے درک کیا جاسکتا ہے۔
امام جعفر صادق علیہ السلام نے صاحب نفس کی پانچ علامتیں بتائی ہیں آپ نے فرمایا:
(۱) اس کے کام کاج میں صفائی اور پاکیزگی ہوتی ہے
(۲) وہ خوش اخلاق ہوتا ہے
(۳) اس کا نفس پاک ہوتا ہے
(۴) وہ راہ خدا میں انفاق کرتا ہے
(۵) وہ کم بولتا ہے اور زیادہ خاموش رہتا ہے۔
تہذیب نفس کی مثال حضرت یوسفؑ اور زلیخا کے واقعہ سے بھی ملتی ہے کہ جب حضرت یوسفؑ مصر کے حاکم اور خزانہ دار بنے اور زلیخا سے ان کی ملاقات ہوئی تو اس نے کہا حرص، لالچ، اور شہوت بادشاہوں کو غلام بنا دیتے ہیں صبر، تقویٰ اور پرہیزگاری غلام کو بادشاہ بنا دیتے ہیں تو حضرت یوسفؑ نے فرمایا میرے اللہ نے فرمایا ہے ''جو اللہ سے ڈرتا ہے، پاک دامن رہتا ہے، تقویٰ اختیار کرتا ہے اور صبر کرتا ہے تو اللہ نیکی اور احسان کرنے والوں کو اجر ضائع نہیں کرتا ہے[1]
قرآن مجید میں تہذیب نفس کو بلند مقام حاصل ہے سورہ والشّمس میں خدا گیارہ قسم کھا کے فرماتا ہے ''**قد افلح من زکّاھا**''، انسان کی نجات و کامیابی تہذیب نفس میں ہے ''**فاقتلوا انفسکم**''، یعنی اپنے اندر کے حیوان کو مار دو اسی میں نجات ہے۔
در حقیقت عید قربان کی قربانی نفس کی قربانی ہے کیونکہ انسان اپنے نفس کو کچل کر اپنے پروردگار کی خاطر عید قربان کے تمام اعمال کو انجام دیتا ہے لیکن اگر انسان بغیر تربیت نفس کے اعمال بجالائے تو پھر وہ ریاکاری اور شیطانی عبادت کے سوا کچھ نہ ہوگا۔

[1] محجۃ البیضاء جلد ۵ صفحہ ۱۱۶

سید منظور عالم جعفری سرسوی

آیت اللہ سیستانی و رہبر معظم کے فتاوی کے مطابق مختصر احکام حج

حج کی فضیلت اور اہمیت:

حج ہر مستطیع مکلّف پر حج واجب ہے اور اس کا واجب ہونا قرآن اور سنت سے ثابت ہے۔ حج ارکان دین میں سے ایک رکن ہے اور اس کا وجوب ضروریات دین میں سے ہے۔ حج کے وجوب کا اقرار کرتے ہوئے اس کا ترک کرنا گناہ کبیرہ ہے جب کہ خود حج کا انکار اگر کسی غلطی یا شک و شبہ کی وجہ سے نہ ہو تو کفر ہے۔ پروردگار عالم قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:« وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ۚ وَ مَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِينَ[1]»

ترجمہ: اور لوگوں پر واجب ہے کہ محض خدا کے لیے خانہ کعبہ کا حج کریں جنہیں وہاں تک پہنچنے کی استطاعت ہو۔ اور جس نے استطاعت کے باوجود حج سے انکار کیا تو خدا سارے جہاں سے بے نیاز ہے۔

شیخ کلینی رحمۃ اللہ علیہ معتبر ذرائع سے حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت کرتے ہیں کہ امام نے فرمایا: جو شخص حج الاسلام کیے بغیر مر جائے جب کہ اس کا حج نہ کرنا کسی قطعی ضرورت، بیماری یا حکومت کی طرف سے رکاوٹ کی وجہ سے نہ ہو تو اس کی موت یہودی یا نصرانی کی موت ہو گی۔

امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے: « بُني الاسلام علي خمس علي الصلوة والزكاة و الصوم و الحج والولاية[2]» ترجمہ: " اسلام پانچ بنیادوں پر استوار ہے: نماز، زکات، روزہ، حج اور ولایت"۔ حج، خواہ واجب ہو یا مستحب، اسکی بہت زیادہ فضیلت اور اجر و ثواب ہے، چنانچہ امام صادقؑ سے روایت ہے:« الحاج والمعتمر و فدالله، إن سألوه أعطاهم، وإن دعوه أجابهم، وإن شفعوا شفعهم، وإن سكتوا ابتدأهم، ويعوضون بالدرهم ألف[3]» " حج اور عمرہ انجام دینے والے راہ خدا کے راہی ہیں۔ اگر اللہ سے مانگیں تو انہیں عطا کرتا ہے اور اسے پکاریں تو جواب دیتا ہے، اگر شفاعت کریں تو قبول کرتا ہے اگر چپ رہیں تو از خود اقدام کرتا ہے اور ایک درہم کے بدلے (جو انہوں نے حج کرنے پر خرچ کئے ہیں) دس لاکھ درہم پاتے ہیں۔

اس موضوع پر بہت زیادہ روایتیں ہیں جو حج کے وجوب پر دلالت کرتیں ہیں۔

---

۱ _ (آل عمران آیت ۹۷)

۲ _ (کافی، ج ۲، ص ۱۸، ح ۱؛ وسائل الشیعہ، ج ۱، ص ۷، باب ۱، ح ۱۔)

۳ _ (کافی، ج ۴، ص ۲۵۵، ح ۱۴۔)

شریعت مقدسہ میں ہر مستطیع مکلّف پر حج ایک مرتبہ واجب ہے جسے حج الاسلام کہا جاتا ہے۔ بعض اوقات ممکن ہے کہ حج ایک یا زیادہ مرتبہ واجب ہو جائے مثلاً کسی کے بدلے حج کرنے یا اجیر وغیرہ بننے کے صورت میں۔

اقسام حج:

حج کی تین اقسام ہیں: ۱۔ تمتع، ۲۔ اِفراد، ۳۔ قِران۔

پہلی قسم (حج تمتع) ان افراد پر واجب ہوتا ہے کہ جنکا وطن مکہ سے ۴۸ میل (تقریبا ۹۰ کیلو میٹر) کے فاصلے پر ہو۔ حج کی دوسری اور تیسری قسم (اِفراد اور قِران) ان لوگوں پر واجب ہوتی ہے جو مکہ میں رہتے ہیں یا ان کی رہائش کی جگہ مذکورہ فاصلہ سے کم پر واقع ہو۔

حج تمتع اور عمرہ تمتع کا اجمالی ڈھانچہ:

حج تمتع دو عمل کا مرکب ہے: ۱۔ عمرہ تمتع ۲۔ حج تمتع۔

عمرہ تمتع حج پر مقدم ہے اور ان دونوں کے اپنے مخصوص اعمال ہیں کہ جن کی جانب اشارہ کیا جائے گا۔

عمرہ تمتع کے اعمال مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ کسی بھی ایک میقات سے احرام باندھنا۔ ۲۔ کعبہ کا طواف۔ ۳۔ نماز طواف۔ ۴۔ صفا و مروہ کے درمیان سعی۔ ۵۔ تقصیر (تھوڑے سے بال یا ناخن کاٹنا)

حج تمتع کے کلی احکام:

حج تمتع کے صحیح ہونے کی شرائط مندرجہ ذیل ہیں:

پہلی شرط: نیت: یعنی جس وقت سے عمرہ تمتع کا احرام باندھنا چاہتا ہے اسی وقت سے حج تمتع انجام دینے کا قصد بھی رکھتا ہو۔ ورنہ اس کا حج صحیح نہیں ہے۔

دوسری شرط: عمرہ اور حج دونوں حج کے مہینوں میں واقع ہوں۔

تیسری شرط: عمرہ اور حج دونوں ایک ہی سال میں واقع ہوں۔

چوتھی شرط: عمرہ اور حج دونوں ایک ہی شخص کے لئے اور ایک ہی شخص کے توسط سے انجام دیئے جانا چاہیے۔

پانچویں شرط: حالت اختیار میں حج کا احرام شہر مکہ سے باندھے اور بہترین مقام مسجد الحرام ہے لیکن اگر کسی وجہ سے مکہ سے حرام نہ باندھ سکے تو جہاں سے ممکن ہو وہاں سے باندھ لے۔

احرام باندھنے کے میقات:

شریعت مقدسہ نے احرام باندھنے کے لیے چند جگہیں مقرر کی ہیں جہاں سے احرام باندھنا واجب ہے اور اسی جگہ کو میقات کہتے ہیں۔ جن کی تعداد نو ہے۔

عادتاً ہندوستان سے جانے والے حجاج اگر مدینہ کے راستے سے مکہ جاتے ہیں تو مسجد شجرہ جو کہ مدینہ منورہ کے قریب ذوالحلیفہ کے علاقہ میں واقع ہے، سے احرام باندھتے ہیں۔ اور اگر جدہ کے راستے سے مکہ جاتے ہیں تو وہ جحفہ سے احرام باندھتے ہیں۔

نوٹ: جدہ میقات شمار نہیں ہوتا ہے اور کسی میقات کے محاذی بھی نہیں ہے لہٰذا اختیاری صورت میں جدہ سے عمرہ تمتع کے لئے احرام باندھنا صحیح نہیں ہے بلکہ احرام باندھنے کیلئے کسی میقات کی طرف جانا واجب ہے اور اگر کسی میقات پر نہ جاسکے تو احتیاط واجب یہ ہے کہ نذر کرکے جدہ سے احرام باندھے۔

احرام سے متعلق مسائل: احرام میں تین چیزیں واجب ہیں:

۱۔ نیت: نیت کی کیفیت اور شرایط حسب ذیل ہے:

الف: قصد، یعنی حج یا عمرہ کے اعمال کے بجالانے کا قصد کرنا پس جو شخص مثال کے طور پر عمرہ تمتع کا احرام باندھنا چاہے وہ احرام کے وقت عمرہ تمتع کو انجام دینے کا قصد کرے۔

ب: قصد قربت اور خدا کی اطاعت کی خالص نیت رکھنا چاہیے کیونکہ حج اور عمرہ اور اس کے تمام اعمال عبادت ہیں اس لئے لازم ہے کہ ان کو خداوند متعال سے قربت کی نیت سے انجام دیا جائے۔

ج: جو شخص مُحرم ہونا چاہتا ہے اس کے لئے لازم ہے کہ احرام باندھتے وقت اپنی نیت کو معین کرے یعنی معین کرے کہ حج بجالانا چاہتا ہے یا عمرہ، اور اسی طرح معین کرے کہ حج تمتع ہے یا اِفراد یا قِران، اپنی طرف سے حج کرنا چاہتا ہے یا کسی اور کی نیابت میں، حج الاسلام ہے یا نذر کا حج یا مستحب حج۔

عمرہ تمتع کے احرام کی نیت کا طریقہ: "احرام باندھتا یا باندھتی ہوں عمرہ تمتع کیلئے "قربۃً الی اللہ" ۔

۲۔ تلبیہ: نماز میں تکبیرۃالاحرام کی طرح تلبیہ کے الفاظ بھی سیکھنا اور صحیح ادا کرنا ضروری ہے۔

تلبیہ کا طریقہ: "لَبَّیکَ اَللّٰہُمَّ لَبَّیکَ، لَبَّیکَ لَا شَرِیکَ لَکَ لَبَّیکَ، اِنَّ الحَمدَ وَالنِّعمَۃَ لَکَ وَ المُلکَ، لَا شَرِیکَ لَکَ لَبَّیکَ"

نوٹ: ۱۔ ایک مرتبہ تلبیہ کہنا واجب ہے لیکن جتنا ممکن ہو اس کی تکرار کرنا مستحب ہے۔

۲۔ جو شخص عمرہ تمتع کے لئے محرم ہوا ہو اس کے لئے واجب ہے کہ مکہ مکرمہ کے گھروں کو دیکھتے ہی لبیک کہنا چھوڑ دے اگرچہ مکہ کے اطراف میں نئے تعمیر کیے گئے مکان بھی ہوں جو اس وقت مکہ کا حصہ شمار ہوتے ہیں اور جس نے حج کے لئے احرام باندھا ہو اس پر روز عرفہ کے ظہر سے تلبیہ ترک کرنا واجب ہے۔

۳۔ مردوں کے لئے احرام کے دو کپڑوں (لنگ اور چادر) کا پہننا: دو جاموں میں سے ایک «لنگی» ہے جسے کمر سے باندھنا چاہیے اور دوسرا جامہ «ردا» ہے جسے کاندھوں پر ڈالا جاتا ہے ان دو جاموں کو ان تمام کپڑوں کو اتارنے کے بعد پہننا چاہیے جن کا پہننا محرم پر حرام ہے۔

۱.	**احرام کے مستحبات:** مستحب ہے کہ احرام سے پہلے بدن پاک ہو، بدن کے زائد بالوں کا صاف کیے جائیں، اور ناخن کاٹے جائیں۔احرام سے پہلے مسواک کرنا بھی مستحب ہے، اسی طرح مستحب ہے کہ میقات پر پہنچنے سے پہلے، مثلاً مدینہ میں، غسل کیا جائے اور کہا گیا ہے کہ احوط یہ ہے کہ اس غسل کو ترک نہ کیا جائے۔

اور مستحب ہے کہ نماز ظہر یا کسی اور فریضہ نماز یا دو رکعت نافلہ نماز کے بعد احرام باندھے بعض احادیث میں چھ رکعت مستحب نماز وارد ہوئی ہے اور اسکی بہت زیادہ فضیلت ہے۔اور اسی طرح جو شخص حج بجالانا چاہتا ہے اس کے لئے مستحب ہے کہ ذی القعدہ کی پہلی تاریخ سے اپنے سر اور داڑھی کے بالوں کو نہ کاٹے۔

۲.	**احرام کے مکروہات:** سیاہ، میلے اور دھاری دار کپڑے میں احرام باندھنا مکروہ ہے اور بہتر یہ ہے کہ احرام کا لباس سفید رنگ کا ہو اسی طرح احرام کی حالت میں زرد بستر یا تکیے پر سونا مکروہ ہے اور احرام سے پہلے ایسی مہندی لگانا بھی مکروہ ہے جس کا رنگ احرام کی حالت تک باقی رہے۔اسی طرح اگر اسے کوئی پکارے تو "لبیک" کے ساتھ جواب دینا بھی مکروہ ہے اور احرام کی حالت میں حمام میں جانا اور بدن کو کیسہ (بدن کو صاف کرنے کے لئے حمام کا تھیلی نما کپڑا) یا اس جیسی دوسری اشیاء وغیرہ کے ساتھ دھونا بھی مکروہ ہے۔

۳.	**احرام کے محرمات: جب مکلّف احرام باندھ لے تو مندرجہ ذیل چیزیں اس پر حرام ہو جاتی ہیں:**

اور ان میں سے بعض چیزیں ایسی ہیں جو مرد اور عورت دونوں پر حرام ہیں، وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱-خوشبو کا استعمال۔ ۲- آئینہ دیکھنا۔ ۳-ہاتھ میں انگوٹھی پہننا۔ ۴-مہندی لگانا۔ ۵-بدن پر تیل لگانا۔

۶-اپنے یا کسی دوسرے کے بدن سے بال نوچنا۔ ۷- سرمہ لگانا۔ ۸ - ناخن کاٹنا۔ ۹- بدن سے خون نکالنا۔ ۱۰- ہتھیار ساتھ رکھنا۔ ۱۱- فسوق (یعنی جھوٹ بولنا، گالی دینا، اور فخر کا اظہار کرنا)۔ ۱۲-جدال کرنا یعنی "لا واللہ : بلی واللہ" کہنا۔ ۱۳- ان حشرات کو مارنا جو انسان کے بدن پر بیٹھ جاتے ہیں۔ ۱۴- حرم کے درختوں یا گھاس کو اکھاڑنا یا کاٹنا۔ ۱۵- صحرائی اور وحشی جانوروں کا شکار کرنا۔ ۱۶- ایک قول کے مطابق دانت نکالنا۔ ۱۷- بحث و جھگڑا کرنا ایسا طرز عمل اختیار کرنا جو کسی مومن کے لئے اہانت کا باعث ہو ۱۸- استمناء کرنا۔ ۱۹- عقد نکاح کرنا۔

اور ان میں سے بعض چیزیں ایسی ہیں جو صرف مرد پر حرام ہیں، وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱- سلے ہوئے لباس کا پہننا۔ ۲- پاوں کے اوپر والے حصے کو پورے طور پر ڈھانپنا اور بند جوتے یا موزے پہننا۔

۳- سر ڈھانپنا اسی طرح پانی میں سر ڈبونا اور یہ عورتوں پر بھی حرام ہے۔ ۴- دن کو مسافت طے کرتے وقت اپنے سروں پر سایہ قرار دینا۔ ۵- سلا ہوا یا ایسا لباس پہننا جو سلے ہوئے کے حکم میں ہو۔ ۶ - عورت سے جماع کرنا اور عورت سے ہر قسم کی لذت اٹھانا، جیسے دیکھنا، بوسہ لینا اور لمس کرنا۔

اور اور ان میں سے بعض چیزیں ایسی ہیں جو صرف عورت پر حرام ہیں، وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱- چہرے کو ڈھانپنا۔ ۲- آرائش کرنا بننا سنورنا۔

مکہ مکرمہ کی طرف روانگی:

میقات میں احرام باندھنے کے بعد عمرہ کے باقی اعمال انجام دینے کے لئے حاجی مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوتے ہیں۔ مکہ پہنچنے سے پہلے حرم کا علاقہ شروع ہو جاتا ہے اور حرم کے علاقے میں داخل ہونے کیلئے اسی طرح مکہ مکرمہ اور مسجد الحرام میں داخل ہونے کیلئے بہت ساری دعائیں اور آداب وارد ہوئے ہیں۔ جو شخص تفصیل سے آداب اور مستحبات پر عمل کرنا چاہتا ہے وہ مفصل کتابوں کی طرف رجوع کرے۔

طواف اور اس کی نماز: عمرہ میں دوسرا واجب عمل طواف ہے۔ جو شخص عمرہ تمتع کے لیئے احرام باندھتا ہے اور اس کے اعمال بجالانے کے لیئے مکہ مکرمہ میں داخل ہوتا ہے تو اسکو سب سے پہلا جو کام انجام دینا ہے وہ کعبہ معظّمہ کے گرد سات (۷) چکر لگانا ہے۔

طواف صحیح ہونے کی چند شرائط ہیں:

۱-نیت۔ ۲- حدث اکبر اور اصغر سے پاک ہونا۔ ۳- نجاست سے پاک ہونا ۔ ۴- مردوں کیلئے ختنہ شدہ ہونا ۵- شرمگاہ کو چھپانا۔ ۶- طواف کے لباس کا غصبی نہ ہونا۔ ۷- موالات۔

عمرہ تمتع کے طواف کی نیت کا طریقہ: " طواف کرتا یا کرتی ہوں عمرہ تمتع کیلئے "قربۃً الی اللہ" ۔

طواف کے واجبات: طواف میں نو چیزیں واجب ہیں:

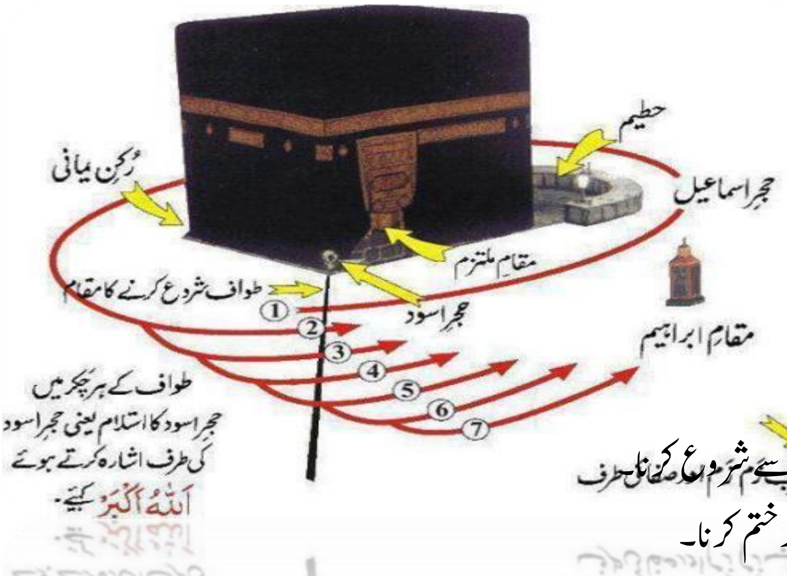

۱- طواف کو حجرالاسود سے شروع کرنا۔

۲- ہر چکر کو حجر اسود پر ختم کرنا۔

۳- بائیں جانب سے طواف کرنا۔

۴- حجر اسماعیل کے باہر سے طواف کرنا۔

۵- حجر اسماعیل کو بھی طواف میں شامل کرنا یعنی حجر اسماعیل کے باہر سے چکر لگایا جائے نہ ہی اس کے اوپر سے گزرے اور نہ ہی اندر سے۔

۶۔ کعبہ معظّمہ اور شاذروان کے باہر سے طواف کرنا۔
۷۔ مشہور قول کے مطابق کعبہ معظّمہ اور مقام ابراہیم کے درمیان طواف کرنا۔
۸۔ طواف کے لئے سات چکر لگانا۔
۹۔ طواف کرنے والا اپنے ارادے اور اختیار سے کعبہ کے گرد چکر لگائے اگر رش یا کسی اور وجہ سے کچھ مقدار بے اختیاری کی
وجہ سے بجالائے تو یہ کافی نہیں ہوگا اور اس کا جبران اور تدارک کرنا ضروری ہے۔

نماز طواف: عمرہ کے واجبات میں سے تیسرا واجب نماز طواف ہے۔

یہ دو رکعت نماز ہے جو طواف کے بعد پڑھی جاتی ہے۔ یہ نماز نماز فجر کی طرح ہے لیکن اس کی قرائت میں بلند آواز یا آہستہ
سے پڑھنے میں اختیار ہے اور واجب ہے کہ یہ نماز مقام ابراہیم کے قریب پڑھی جائے اور اظہر یہ ہے کہ مقام ابراہیم کے پیچھے
پڑھنا ضروری ہے۔ اگر مقام ابراہیم کے قریب پیچھے کی طرف پڑھنا ممکن نہ تو احوط یہ ہے کہ مقام ابراہیمؑ کے نزدیک دائیں
یا بائیں طرف پڑھے یا اس کے پیچھے دور کھڑے ہو کر پڑھے۔ اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو ان دو جگہوں میں سے جہاں ممکن ہو ہاں
پڑھے اور احوط اولی یہ ہے کہ مقام ابراہیم کے پیچھے جتنے قریب میں نماز پڑھنا ممکن ہو جائے بہتر ہے۔

عمرہ تمتع کے نماز طواف کی نیت کا طریقہ: " دو رکعت نماز طواف پڑھتا ہوں عمرہ تمتع کیلئے "قربۃً الی اللہ" "۔

صفا اور مروہ کے درمیان سعی: عمرہ کے واجبات میں سے چوتھا واجب سعی ہے۔

طواف اور نماز طواف کی دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا واجب ہے سعی سے مراد، ان دونوں
کے درمیانی فاصلے کو اس طرح چلنا ہے کہ پہلا دور صفا سے شروع کرے اور مروہ پر ختم کرے اور دوسرا دور مروہ سے شروع
کر کے صفا پر ختم کرے اسی طرح سات چکر لگائے اور ساتواں چکر مروہ پر ختم کرے بنابرایں مروہ سے سعی شروع کر کے صفا
پر ختم کرنا صحیح نہیں ہے۔

عمرہ تمتع میں سعی کی نیت کا طریقہ: " سعی کرتا یا کرتی ہوں صفا و مروہ کے درمیان عمرہ تمتع کیلئے "قربۃً الی اللہ" "۔

نوٹ: سعی کے دوران استراحت کی خاطر صفا و مروہ کے درمیان بیٹھنا اور سونا بغیر عذر کے بھی جائز ہے۔
تقصیر: عمرہ کے واجبات میں سے پانچواں واجب تقصیر ہے۔
سعی انجام دینے کے بعد تقصیر کرنا واجب ہے یعنی اپنے سر کے بال یا داڑھی یا مونچھوں میں سے تھوڑے سے بال یا اپنے
ہاتھ یا پاوں کے تھوڑے سے ناخن کاٹ لے۔
عمرہ تمتع میں تقصیر کی نیت کا طریقہ: " تقصیر کرتا یا کرتی ہوں عمرہ تمتع کیلئے "قربۃً الی اللہ" "۔
نوٹ: ۱۔ سعی کے بعد تقصیر کی انجام دہی میں جلدی کرنا واجب نہیں ہے۔
۲۔ عمرہ تمتع میں طواف النساء واجب نہیں ہے لیکن رجاء کیا جا سکتا ہے۔
۳۔ عمرہ تمتع اور حج تمتع کے درمیان مکہ سے باہر نہیں جا سکتے ہیں۔
۴۔ عمرہ تمتع اور حج تمتع کے درمیان عمرہ مفردہ انجام نہیں دے سکتے ہیں۔
حج تمتع کے اعمال مندرجہ ذیل ہیں:
.۱ مکہ مکرمہ میں احرام باندھنا۔ ۲۔ ۹ ذی الحجہ کی ظہر سے غروب شرعی تک عرفات میں وقوف۔ ۳۔ ۱۰ ذی الحجہ کی رات کو سورج طلوع ہونے تک مشعر الحرام میں وقوف۔ ۴۔ ۱۰ ذی الحجہ (عید قربان کے دن) کو جمرہ عقبہ کو کنکریاں مارنا۔ ۵۔ قربانی۔ ۶۔ سر منڈوانا یا تقصیر کرنا۔ ۷۔ طواف حج۔ ۸۔ نماز طواف۔ ۹۔ صفا و مروہ کے درمیان سعی۔ ۱۰۔ طوافِ نساء۔ ۱۱۔ نماز طواف نساء۔ ۱۲۔ ۱۱ ذی الحجہ کی رات کو منیٰ میں رات گزارنا۔ ۱۳۔ ۱۱ ذی الحجہ کے دن تینوں جمرات پر کنکریاں مارنا۔ ۱۴۔ ۱۲ ذی الحجہ کی رات کو منیٰ میں رات گزارنا۔ ۱۵۔ ۱۲ ذی الحجہ کے دن تینوں جمرات کنکریاں مارنا۔
احرام : حج کے واجبات میں سے پہلا واجب، احرام ہے۔ حج تمتع کے احرام کا میقات مکہ مکرمہ ہے اور افضل یہ ہے کہ حج تمتع کا احرام مسجد الحرام میں باندھے۔ مکہ معظّمہ کے ہر حصے سے احرام باندھنا صحیح ہے حتی کہ اس شہر کی نئی بستیوں سے بھی محرم ہونا صحیح ہے لیکن احوط یہ ہے کہ شہر کے قدیمی علاقوں سے محرم ہو جائے اور اگر کسی جگہ کے بارے میں شک کرے کہ یہ مکہ کا حصہ ہے یا نہیں تو اس جگہ سے احرام باندھنا صحیح نہیں ہے۔
نوٹ: حج اور عمرہ کے احرام کا طریقہ واجبات اور محرمات میں ایک ہی ہے صرف نیت کا فرق ہے۔
حج تمتع کے احرام کی نیت کا طریقہ: "احرام باندھتا یا باندھتی ہوں حج تمتع کیلئے "قربۃً الی اللہ" "۔
وقوف عرفات: حج تمتع کے واجبات میں دوسرا واجب وقوف عرفات ہے۔ جسے قربۃ الی اللہ اور خلوص نیت سے انجام دینا

چاہیے۔ وقوف عرفات سے مراد یہ ہے کہ نویں ذی الحجہ کو حاجی عرفات میں بنابر احتیاط زوال آفتاب کی ابتدا سے غروب
تک موجود ہو اس سے فرق نہیں پڑتا کہ سواری کی حالت میں ہو پیادہ، متحرک ہو یا حالت سکون میں۔

حج تمتع میں وقوف عرفات کی نیت کا طریقہ: "وقوف عرفات کرتا یا کرتی ہوں حج تمتع کیلئے "قربۃً الی اللہ" ۔

مشعر الحرام (مزدلفہ) میں وقوف کرنا: حج تمتع کے واجبات میں سے تیسرا واجب وقوف مزدلفہ ہے۔

حج کرنے والے پر عرفات سے نکلنے کے بعد واجب ہے کہ شب عید سے صبح تک کچھ وقت مزدلفہ میں قیام کرے احوط یہ ہے کہ مزدلفہ میں طلوع آفتاب تک رہے۔ اگرچہ اظہر یہ ہے کہ مزدلفہ سے وادی محسر جانے کے لیے طلوع سے کچھ پہلے نکلنا جائز ہے تاہم وادی محسر سے منی کی طرف طلوع آفتاب سے پہلے جانا جائز نہیں ہے۔

حج تمتع میں وقوف مشعر الحرام کی نیت کا طریقہ: "وقوف مشعر الحرام کرتا یا کرتی ہوں حج تمتع کیلئے "قربۃً الی اللہ" ۔

نوٹ: ۱۔ بہتر ہے کے حجاج کرام مشعر الحرام (مزدلفہ) سے کم سے کم ۱۰۰ کنکریاں جمع کر لیں۔

۲۔ ضروری ہے کہ کنکریاں اتنی چھوٹی نہ ہوں کہ جسے ریت کہا جائے اور نہ اتنی بڑی ہوں کہ جسے پتھر کہا جائے۔

رمی جمرہ (شیطان کو کنکریاں مارنا): حج کے واجبات میں سے چوتھا واجب اور منی کے اعمال میں سے پہلا عمل رمی جمرہ ہے۔

دس ذی الحجہ کو جمرہ عقبہ (سب سے بڑا) کو کنکریاں مارنا چاہیے۔

کنکریاں مارنے (رمی) میں کچھ شرائط مندرجہ ذیل ہیں:

۱: نیت اسی طرح سے کہ جیسے احرام کی نیت میں بیان ہوئی۔ ۲: رمی ایسے کنکر سے انجام دی جائے جنہیں کنکریاں کہنا صحیح ہو

۳: رمی عید والے دن، طلوع آفتاب اور غروب آفتاب کے درمیان انجام دی جائے البتہ جس کیلئے یہ ممکن ہو۔

۴: کنکریاں جمرے کو لگنا ضروری ہے پس اگر کنکر جمرے کو نہ لگے یا اسکے لگنے کا گمان ہو تو یہ کافی نہیں ہے اور اسکے بدلے دوسری کنکری مارنا چاہیے، اور کنکری کا اس پر لگے بغیر اس دائرے تک پہنچ جانا جو جمرے کے ارد گرد ہے کافی نہیں ہے۔

۵: سات کنکریاں ماری جائیں۔ ۶: کنکریوں کو یکے بعد دیگرے مارا جائے پس اگر ایک ہی دفعہ ساری کنکریاں پھینکے تو صرف ایک شمار دفعہ شمار ہوگا چاہے ساری کنکریاں جمرے کو لگیں یا ان میں سے بعض لگیں۔

۷: کنکر پھینکنے کی وجہ سے جمرہ تک پہنچے، چنانچہ جمرہ پر رکھ دینا کافی نہیں ہے۔

حج تمتع میں رمی جمرہ عقبہ کی نیت کا طریقہ: "رمی جمرہ عقبہ (بڑے شیطان کو سات کنکریاں مارتا) ہوں حج تمتع کیلئے "قربۃً الی اللہ" ۔

قربانی کرنا: حج کے واجبات میں سے پانچواں واجب اور منی کے اعمال میں سے دوسرا عمل قربانی ہے۔

نوٹ : ۱- احتیاط یہ ہے کہ قربانی عید قربان کے دن ہو اگرچہ اقوی یہ ہے کہ قربانی کو ایام تشریق کے آخر تک تاخیر کرنا جائز ہے۔ اور علی الظاہر ذبح کو دن میں انجام دے یا رات میں اس میں کوئی فرق نہیں ہے۔

۲- احتیاط واجب یہ ہے کہ جمرہ عقبہ کو کنکریاں مارنے کے بعد قربانی کی جائے۔

۳- احتیاط واجب یہ ہے کہ ذبح کرنے والا شیعہ اثنا عشری ہو ہاں اگر نیت خود کرے اور نائب کو صرف رگیں کاٹنے کیلئے وکیل بنائے تو شیعہ اثنا عشری کی شرط کا نہ ہونا بعید نہیں ہے۔

حج تمتع میں قربانی کی نیت کا طریقہ: "قربانی کرتا ہوں حج تمتع کیلئے "قربۃً الی اللہ" ۔

تقصیر یا حلق: حج کے واجبات میں سے چھٹا اور منی کے اعمال میں سے تیسرا عمل تقصیر (بالوں یا ناخنوں کا کاٹنا) (یا حلق سر مونڈنا) ہے۔

نوٹ: قربانی کرنے کے بعد سر منڈانا یا بالوں یا ناخنوں کی تقصیر کرنا واجب ہے۔ عورتوں کیلئے تقصیر ہی ضروری ہے اور ان کیلئے حلق کرنا کافی نہیں ہے اور رہبر معظم آیت اللہ خامنہ ای کے نزدیک بنابر احتیاط عورت تقصیر میں بال بھی کاٹے اور ناخن بھی لیکن مرد کو حلق اور تقصیر کے درمیان اختیار ہے اور اس کیلئے حلق کرنا ضروری نہیں ہے ہاں اگر ان کا پہلا حج ہو تو احتیاط واجب ہے کہ سر منڈوا لیں۔ لیکن آیت اللہ سیستانی کے نزدیک مرد کو حلق و تقصیر میں اختیار ہے البتہ حلق افضل ہے۔

حج تمتع میں حلق یا تقصیر کی نیت کا طریقہ: "حلق یا تقصیر کرتا ہوں حج تمتع کیلئے "قربۃً الی اللہ"۔

مکہ مکرمہ کے اعمال : منی میں عید کے دن والے اعمال انجام دینے کے مکہ معظّمہ میں پانچ اعمال واجب ہیں :

۱- طواف حج (اسے طواف زیارت کہا جاتا ہے)۔ ۲- نماز طواف۔ ۳- صفا و مروہ کے درمیان سعی۔ ۴- طواف النساء۔
۵- نماز طواف النساء۔

عید والے دن کے اعمال سے فارغ ہونے کے بعد جائز بلکہ مستحب ہے کہ اسی دن مکہ معظّمہ کی طرف لوٹ جائے اور حج کے باقی اعمال، دو طواف اور انکی نمازیں اور سعی کو انجام دے، اور اسے ایام تشریق کے آخر تک بلکہ ماہ ذی الحجہ کے آخر تک مؤخر کرنا بھی جائز ہے۔

نوٹ : طواف، نماز طواف اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کی کیفیت، عمرہ کے طواف، نماز اور سعی کے مانند ہے اور صرف نیت میں فرق ہے اور یہاں پر حج کے لئے نیت کرنی چاہیے۔

۱- **حج تمتع کے طواف کی نیت کا طریقہ:** "طواف کرتا یا کرتی ہوں حج تمتع کیلئے "قربۃً الی اللہ" ۔
۲- **حج تمتع کے نماز طواف کی نیت کا طریقہ:** "دو رکعت نماز طواف پڑھتا پڑھتی ہوں حج تمتع کیلئے "قربۃً الی اللہ" ۔
۳- **حج تمتع میں سعی کی نیت کا طریقہ:** "سعی کرتا یا کرتی ہوں صفا و مروہ کے درمیان حج تمتع کیلئے "قربۃً الی اللہ" ۔

۴- **حج تمتع میں طواف النساء کی نیت کا طریقہ :** " طواف النساء کرتا ہوں حج تمتع کیلئے " قربۃً الی اللہ " ۔

۵- **حج تمتع میں نماز طواف النساء کی نیت کا طریقہ :** " دو رکعت نماز طواف النساء پڑھتا ہوں حج تمتع کیلئے " قربۃً الی اللہ "۔

منیٰ میں رات گزارنا : حج کے واجبات میں سے بارہواں اور منی کے اعمال میں سے چوتھا عمل، رات گزارنا ہے۔

گیارہ اور بارہ کی رات گزارنا ہے اس میں قصد قربت اور خلوص نیت معتبر ہے اگر حاجی عید کے دن طواف اور سعی کرنے کیلئے مکہ جائے تو منی میں رات گزارنے کیلئے واپس آنا واجب ہے حالت احرام میں شکار سے اجتناب نہ برتنے والے شخص پر تیرہویں ذی الحجہ کی شب بھی منی میں گزارنا واجب ہے اسی طرح وہ شخص بھی کہ جس نے اپنی بیوی سے نزدیکی کی ہو بناء براحوط تیرہویں ذی الحجہ کی شب منی میں گزارے مذکورہ اشخاص کے علاوہ باقی حجاج کیلئے جائز ہے کہ بارہ تاریخ کو ظہر کے بعد منی سے باہر چلے جائیں لیکن اگر وہاں رکیں یہاں تک کہ تیرھویں رات آجائے تو ضروری ہے کہ تیرہویں کی رات بھی طلوع فجر تک وہیں گزاریں۔

منیٰ میں رات گزارنے کی نیت کا طریقہ : " گیارہویں اور بارہویں کی رات گزارتا گزارتی ہوں حج تمتع کیلئے " قربۃً الی اللہ "۔

تینوں جمرات کو کنکریاں مارنا : حج کے واجبات میں سے تیرہواں اور منی کے اعمال میں سے پانچواں عمل رمی جمرات ہے اور اس کی کیفیت اور شرائط کے اعتبار سے عید والے دن جمرہ عقبہ کو کنکریاں مارنے کی شرائط سے کوئی فرق نہیں رکھتے۔

جو راتیں منی میں گزارنا واجب ہے ان کو گزارنے کے بعد اگلے دن تینوں جمرات یعنی اولی (چھوٹا)، وسطی (درمیانی) اور عقبہ (بڑا) کو کنکریاں مارنا چاہیے۔

نوٹ : کنکریاں مارنے کا وقت طلوع آفتاب سے غروب آفتاب تک ہے پس اختیاری صورت میں رات کے وقت کنکریاں نہیں مار سکتا ہے۔

۱) **حج تمتع میں رمی جمرہ اولی (چھوٹا) کی نیت کا طریقہ :** " رمی جمرہ اولی (چھوٹا) (چھوٹے شیطان کو سات کنکریاں مارتا) ہوں حج تمتع کیلئے " قربۃً الی اللہ " ۔

۲) **حج تمتع میں رمی جمرہ وسطی (درمیانی) کی نیت کا طریقہ :** " رمی جمرہ وسطی (درمیانی) (درمیانی شیطان کو سات کنکریاں مارتا) ہوں حج تمتع کیلئے " قربۃً الی اللہ " "۔

۳) **حج تمتع میں رمی جمرہ عقبہ کی نیت کا طریقہ :** " رمی جمرہ عقبہ (بڑے شیطان کو سات کنکریاں مارتا) ہوں حج تمتع کیلئے " قربۃً الی اللہ "۔

نوٹ:۱-حالت اختیار میں خود رمی کرنا واجب ہے اور نیابت کافی نہیں ہوگی، لیکن بہت زیادہ بھیڑ یا مریض اور عمر دراز ہونے کی وجہ سے نیابت کافی ہوگی۔

۲-ان تمام اعمال کو انجام کے بعد حاجی حج الاسلام کے تمام اعمال سے فارغ ہو جاتا ہے اور وہ عمرہ مفردہ انجام دے سکتا ہے۔

عمرہ کی اقسام: عمرہ بھی حج کی طرح کبھی واجب ہوتا ہے اور کبھی مستحب اور عمرہ یا مفردہ ہوتا ہے یا تمتع۔

عمرہ مفردہ کے اعمال مندرجہ ذیل ہیں:

۱-مسجد تنعیم (عائشہ) سے احرام باندھنا۔ ۲-کعبہ کا طواف۔ ۳-نماز طواف۔ ۴-صفا و مروہ کے درمیان سعی۔ ۵-تقصیر (تھوڑے سے بال یا ناخن کاٹنا) ۶-طواف النساء۔ ۷-نماز طواف النساء۔

نوٹ: طواف، نماز طواف اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کی کیفیت، عمرہ کے طواف، نماز اور سعی کے مانند ہے اور صرف نیت میں فرق ہے۔

۱- **عمرہ مفردہ کے احرام کی نیت کا طریقہ:** "احرام باندھتا ہوں عمرہ مفردہ کیلئے "قربۃً الی اللہ"۔

۲- **عمرہ مفردہ کے طواف کی نیت کا طریقہ:** "طواف کرتا ہوں عمرہ مفردہ کیلئے "قربۃً الی اللہ"۔

۳- **عمرہ مفردہ میں نماز طواف کی نیت کا طریقہ:** "دو رکعت نماز طواف پڑھتا ہوں عمرہ مفردہ کیلئے "قربۃً الی اللہ"۔

۴- **عمرہ مفردہ میں سعی کی نیت کا طریقہ:** "سعی کرتا ہوں صفا و مروہ کے درمیان عمرہ مفردہ کیلئے "قربۃً الی اللہ"۔

۵- **عمرہ مفردہ میں طواف النساء کی نیت کا طریقہ:** "طواف النساء کرتا ہوں عمرہ مفردہ کیلئے "قربۃً الی اللہ"۔

۶- **عمرہ مفردہ میں نماز طواف النساء کی نیت کا طریقہ:** "دو رکعت نماز طواف النساء پڑھتا عمرہ مفردہ کیلئے "قربۃً الی اللہ"۔

۷- **عمرہ مفردہ میں تقصیر یا حلق کی نیت کا طریقہ:** "تقصیر یا حلق کرتا ہوں عمرہ مفردہ کیلئے "قربۃً الی اللہ"۔

نوٹ:۱-جس طرح عمرہ مفردہ استطاعت کی وجہ سے واجب ہو جاتا ہے اسی طرح نذر، قسم اور عہد وغیرہ بھی واجب جاتا ہے۔

۲-سال کے ہر مہینے میں عمرہ مفردہ کرنا مستحب ہے اور دو عمروں کے درمیاں تیس دن کا وقفہ ضروری نہیں ہے۔ لہٰذا ایک ماہ کے آخر اور دوسرے ماہ کے اول میں عمرہ کرنا جائز ہے ایک مہینے میں دو عمرے کرنا چاہے اپنی طرف سے یا کسی اور کی طرف سے جائز نہیں ہے۔ تاہم دوسرا عمرہ رجاء انجام دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۳-اسی طرح اگر ایک عمرہ اپنے لیے اور دوسرا عمرہ کسی اور کی طرف سے یا دونوں عمرے دو مختلف افراد کی طرف سے ہوں تو پھر ایک ماہ میں دو عمرے کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۴۔ عمرہ مفردہ اور عمرہ تمتع کے درمیان تیس دن فاصلہ ہونے کی شرط میں اشکال ہے۔ وہ شخص جو ذی الحجہ میں عمرہ تمتع کرنے کا ارادہ رکھتا ہو کہ اعمال حج کے بعد عمرہ مفردہ انجام دے گا تو اس کے لیے احوط یہ ہے کہ عمرہ کو ماہ محرم تک تاخیر کرے۔

۵۔ عمرہ مفردہ کے احرام سے تقصیر سے بھی باہر آ سکتے ہیں اور حلق (بال منڈوانے) سے بھی تاہم حلق افضل ہے یہ حکم مردوں کے لیے ہے جب کہ عورتوں کے لیے تقصیر معین ہے چاہے عمرہ تمتع کے احرام سے باہر آنا ہو یا عمرہ مفردہ کے۔

"بعنوان غدیر"

مولانا صابر علی عمرانی

ایک مرکز پر اکھٹا ہیں محبان غدیر
جشن مولا ہو رہا ہے یوں بعنوان غدیر

چھو نہیں سکتی بلندی جس کی یہ فکر بشر
حق کی نظروں میں دوبالا ہے وہ ایوان غدیر

ہو گیا باطل کا سرنیچا یہ منظر دیکھکر
دست مرسل پر اٹھا ہے یہ سلیمان غدیر

ذلت و رسوائی سے گر چاہتے ہو تم نجات
تھام لو تم بھی مسلمانوں یہ دامان غدیر

منکرو! اٹھنے تو دو غیبت کا پردہ ایک دن
تم کو لے ڈوبے گا جب آئیگا طوفان غدیر

جو نہ حاسد ہو نہ اندھا ہو وہی پڑھ پائے گا
لو کھلا رحل نبوت پر ہے قرآن غدیر

ہیں غدیری آج جو پھیلے ہوئے اس دہر میں
ہے فروغ مذہب حق اصل فیضان غدیر

جس جگہ دیں گے دہائی رحم کی اہل جہاں
کامیاب ہونگے وہاں بھی صرف شیعیان غدیر

سجدہ شکر الٰہی کیجئے **صابر علی**
تم بھی کہلائے ہو قسمت سے ثناخوان غدیر

مولانا محمد تنویر عالم

"غدیر" امام رضا علیہ السلام کے کلام کی روشنی میں

امامت، اسلام کا وہ بنیادی رکن ہے جس کے بغیر دین اسلام کے مکمل ہونے کا تصور نہیں کیا جاسکتا اور ایسا عظیم الہی منصب ہے کہ جس پر خدائے متعال کے انتخاب کے ذریعہ اس کے برگزیدہ بندے ہی فائز ہوتے ہیں۔ انسان کی روحانی و معنوی حیات، ابدی و دائمی سعادت و شقاوت مسئلہ امامت کو قبول کرنے یا نہ کرنے پر ہی منحصر ہے۔ اس بنیادی ترین اصل اور اہم ترین مقام کے متعلقہ موضوعات میں سے ایک اہم موضوع "غدیر" ہے۔ مسئلہ غدیر کی شناخت و معرفت اور اس عظیم واقعہ سے آگاہی و واقفیت ہر مسلمان کی اہم ذمہ داری ہے۔

غدیر ولایت کی جلوہ گاہ اور بندگان الہی کا روز امتحان ہے، غدیر اسلام کی قوت، بشریت کی معراج اور ابدی سعادت کا سرچشمہ ہے۔

غدیر کی عظمت میں متعدد آیات اور ائمہ طاہرین علیہم السلام سے بڑی تعداد میں روایات موجود ہیں۔

لیکن اس مقالہ میں ہم ثامن الحجج امام رؤف حضرت علی بن موسی الرضا علیہ السلام کے کلام کی روشنی میں غدیر کے فضائل و مناقب کو بیان کریں گے۔

عظمت و فضیلت غدیر کی معرفت کا اثر:

امام رضا علیہ السلام غدیر کی عظمت و فضیلت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "لو عرف النّاسُ فضل هذا الیوم بحقیقته لصافحتهم الملائکةُ فی کلّ یوم عشر مرّات و لولا انّی اکره التطویل لذکرت من فضل هذا الیوم و ما اعطی الله فیه من عرفه ما لا یحصی بعدد"[1] "اگر لوگ اس {غدیر کے} دن کی فضیلت کو جیسا پہچاننا چاہئے ویسا پہچان لیتے تو یقیناً فرشتے ہر روز اُن سے دس مرتبہ مصافحہ کرتے اور اگر مجھے بات لمبی ہو جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں بیان کرتا اس دن کے کچھ فضائل کو اور اس چیز کو جو اللہ اس دن کی معرفت رکھنے والوں کو عطا کرتا ہے کہ جسے اعداد و شمار میں گنا ہی نہیں جاسکتا"

اس کلام میں غور کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہیں: غدیر کے علاوہ کسی اور دن کے لئے روایت نہیں ملتی کہ کسی دن کی مناسبت سے فرشتے دس بار انسان سے مصافحہ کریں، یہ فقط یوم غدیر کی فضیلت ہے۔

غدیر ایک آسمانی عید:

[1] التھذیب، شیخ طوسی، دار الکتب الاسلامیہ، تہران، ۱۳۶۵ش ص ۲۶؛ بحار الانوار، ج ۹۴، ص ۱۱۸

محمد بن ابی نصر بزنطی کہتے ہیں کہ میں امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا، مجلس لوگوں سے بھری ہوئی تھی اور سب غدیر کے بارے میں باتیں کر رہے تھے بعض لوگوں نے اس واقعہ کا انکار کیا تو امام علیہ السلام نے فرمایا: "میرے والد گرامی نے اپنے والد {امام صادق علیہ السلام} سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: "انّ یوم الغدیر فی السماء اشھر منه فی الارض" "بے شک یوم غدیر زمین سے زیادہ آسمان میں مشہور ہے" اور اس کے بعد فرمایا: اے ابی نصیر "اینما کنت فاحضر یوم الغدیر"، جہاں بھی رہو اس دن امیر المومنین علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضری دو، بے شک اس دن میں اللہ مومن و مسلم زن و مرد کے ساٹھ سالوں کے گناہوں کو معاف فرماتا ہے اور ماہ رمضان میں جتنوں کو جہنم سے رہائی عطا کرتا ہے اس سے دوگنے افراد کو اس دن رہائی بخشتا ہے۔۔۔۔۔۔[1]

غدیر تحفے دینے اور خود کو آراستہ کرنے کا دن:

فیاض ابن محمد طوسی، ۲۵۹ ہجری میں جب ان کی عمر ۹۰ سال ہو چکی تھی، عید غدیر کے دن امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھے، وہ اس دن کے بارے میں یوں بیان کرتے ہیں:

اس دن میں نے دیکھا کہ امام رضا علیہ السلام نے اپنے کچھ دوستوں کو کھانے پر مدعو کیا تھا، آپ ان کے گھروں پر بھی کھانا، لباس، تحفے حتیٰ انگوٹھیاں بھیج رہے تھے، اپنے دوستوں اور خادموں کی وضع قطع بھی پہلے سے بہتر فرمائی ہوئی تھی اور {جو چیزیں امام علیہ السلام کے گھر میں روزانہ رہتی تھی ان کے علاوہ} تر و تازہ {کھانوں اور پھلوں} کے ذریعہ ان کی خاطر مدارات کی جا رہی تھی اور امام علیہ السلام مسلسل یوم غدیر کی عظمت و فضیلت اور اس کے تاریخی سوابق کو بیان فرما رہے تھے۔[2]

فضائل غدیر کا بیان:

مسند امام رضا علیہ السلام اور اقبال الاعمال وغیرہ میں غدیر کے فضائل، خواص اور بروز غدیر شیعوں کی ذمہ داریوں کے حوالے سے امام رضا علیہ السلام کا تفصیلی بیان موجود ہے، ذیل میں ہم آنحضرت کے اس بیان سے ہر فراز کے عربی متن سے ابتدائی حصہ اور باقی ترجمہ پر اکتفاء کر رہے ہیں: "عن الرضا علیه السلام قال: اذا كان یوم القیامة زُفّت اربعة ايّام الی الله كما تزفّ العروس الی خدرها، قیل ما هذه الایام قال: یوم الاضحی و یوم الفطر و یوم الجمعة و یوم الغدیر...

"جب روز قیامت ہوگا تو چار دنوں کو شان و شوکت اور عزت و احترام کے ساتھ اس طرح خدا کی بارگاہ میں لے جایا جائیگا جیسے نئی نویلی دلہن کو حجلہ عروسی کی طرف ہمراہی کی جاتی ہے، آپ سے سے پوچھا گیا یہ چار دن کونسے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: عید قربان کا دن، عید فطر کا دن، روز جمعہ اور عید غدیر کا دن" اور پھر مولا نے غدیر کے فضائل اور خصوصیات کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

---

[1] مصباح المتہجد، ص ۷۳۷؛ تہذیب الاحکام، ج۶، ص ۲۴؛ مناقب شہر ابن آشوب، ج ۳، ص ۴۱

[2] ۔ غدیر در نگاہ خوشید، مرتضی طاہری، ص ۱۴۰

۱۔ غدیر کا دن بے شک ان {چار} دنوں کے درمیان ایسا ہی ہے جیسے ستاروں کے درمیان چاند ہو۔

۲۔ غدیر وہ دن ہے جس میں جناب ابراہیم علیہ السلام نے نار نمرود سے نجات پائی اور اس دن کا روزہ رکھا۔

۳۔ غدیر وہ دن ہے جس میں اللہ نے اپنے نبی کے ذریعہ حضرت علی کو ان کا جانشین بنا کر اپنے دین کو کامل فرمایا ہے، مولا علی کو مشعل ہدایت قرار دیا اور ان کی فضیلت و وصایت کو واضح و آشکار فرمایا ہے۔ پس آنحضرت نے بھی اس دن کا روزہ رکھا۔

۴۔ غدیر دین کے کامل ہونے اور شیطان کی ناک مٹی میں رگڑے جانے کا دن ہے۔

۵۔ غدیر محمد و آل محمد علیہم السلام کے شیعوں اور چاہنے والوں کے اعمال کی قبولیت کا دن ہے۔

۶۔ غدیر کے دن خدا مخالفین {ولایت} کے اعمال کی طرف توجہ فرماتا ہے اور اُن کے اعمال کو گرد و غبار کی طرح منتشر اور نابود کر دیتا ہے۔

۷۔ غدیر وہ دن کہ جس میں جبرئیل بحکم خدا بیت المعمور کے سامنے کرامت و عظمت الہی کی کرسی و مسند کو نصب کر کے اس پر جلوہ افروز ہوتے ہیں اور تمام آسمانوں کے فرشتے وہاں جمع ہو کر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ کی مدح و ثنا کرتے اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام اور ائمہ علیہم السلام کے شیعوں اور اولاد آدم میں سے اُن کے چاہنے والوں کے لئے طلب مغفرت کرتے ہیں۔

۸۔ غدیر وہ دن ہے کہ جس میں خداوند عالم کرام الکاتبین {بندوں کے اعمال لکھنے والے فرشتوں} کو حکم دیتا ہے کہ یوم غدیر سے تین دن تک اہل بیت علیہم السلام کے محبوں اور شیعوں {کے اعمال لکھنے} سے قلم روک لیں اور اُن کی خطاوں اور لغزشوں کو حضرات محمد و علی و ائمہ علیہم السلام کی بزرگی و کرامت کا لحاظ کرتے ہوئے نہ لکھیں۔

نکتہ:

اس فراز میں یہ بات ملحوظ خاطر رکھنی چاہیے کہ مولا نے جو یہ فرمایا ہے کہ یوم غدیر سے لیکر تین دن بعد تک اہل بیت کے شیعوں اور محبوں کی غلطیاں نہیں لکھی جاتی ہیں تو لفظ "خطا" کو استعمال کیا ہے اور ہماری فقہ میں یہ لفظ "عمد" کے بالمقابل استعمال ہوتا ہے۔ یعنی "خطا" سے مراد وہ غلطیاں اور کوتاہیاں ہیں جن کو انسان عمدا اور جان بوجھ کر انجام نہیں دیتا بلکہ دھوکہ سے یا بے توجہی کے باعث اس سے سرزد ہو جاتی ہیں۔ وگرنہ ان مبارک ایام میں اگر یہ غلطیاں عمدا انجام پائیں تو جن پاکیزہ ہستیوں کے احترام کی خاطر ان کو معاف کیا جارہا ہے انہی کی حرمت شکنی کے جرم میں ان غلطیوں کا عذاب بڑھ بھی سکتا ہے۔ جیسا کہ اسی خطبہ کے آخری حصہ میں مولا نے اپنے شیعوں کو اس بات کی طرف توجہ دلائی ہے۔ "یوم ترک الکبائر و الذنوب" {کہ غدیر، صغیرہ و کبیرہ گناہوں سے پرہیز کرنے کا دن ہے}

۹۔ غدیر وہ دن ہے جس کو خدائے متعال نے محمد و آل محمد علیہم السلام کے لئے مخصوص قرار دیا ہے۔

۱۰۔ غدیر وہ دن ہے جس میں خداوند عالم عبادت کرنے والے اور اپنے اہل و عیال اور دوستوں کے ساتھ فراخدلی سے کام لینے والے کے اجر میں اضافہ فرماتا ہے اور اس کو آتش جہنم سے نجات دیتا ہے۔

۱۱۔ غدیر وہ دن ہے جس میں خدائے متعال شیعوں کی سعی و کوشش کو قابل قدر اور مقبول، ان کے گناہوں کو معاف اور ان کے عمل کو مورد قبول قرار دیتا ہے۔

نکتہ

"شکر" جب بندوں کے لئے استعمال ہوتا ہے تو "سپاس و تشکر" کے معنی میں آتا ہے لیکن جب یہی کلمہ اللہ کے لئے استعمال ہوتا ہے تو "قبول" اور قدردانی" کے معنی میں آتا ہے جیسا قرآن مجید میں بھی چند مقامات پر یہ لفظ آیا ہے۔ **فَأُولَئِكَ كَانَ سَعْيُهُم مَّشْكُورًا**[1] البتہ بعض مفسرین شکر کے معنی کو وسیع جانتے ہوئے سپاس و تشکر کو ہی خدا کی طرف نسبت دیتے ہیں۔[2]

۱۲۔ غدیر، غم و اندوہ سے رہائی کا دن ہے۔

۱۳۔ غدیر، گناہوں کے جھڑنے اور ختم ہو جانے کا دن ہے۔

۱۴۔ غدیر، بخشش اور عطا کرنے کا دن ہے۔

۱۵ ۔ غدیر علم کو پھیلانے کا دن ہے۔

۱۶۔ غدیر، بشارت اور نوید دینے کا دن ہے

۱۷۔ غدیر عید اکبر ہے۔

۱۸۔ غدیر، دعاوں کی قبولیت کا دن ہے

۱۹۔ غدیر، موقف عظیم کا دن ہے۔

۲۰۔ غدیر، نئے لباس پہننے اور غم و اندوہ کا لباس اتار دینے کا دن ہے۔

۲۱۔ غدیر، عہد و پیمان کا دن ہے۔

۲۲۔ غدیر، غم و اندوہ کے دور ہونے کا دن ہے۔

۲۳۔ غدیر، شیعیان امیر المومنین علیہ السلام کے گناہوں کی بخشش کا دن ہے۔

۲۴۔ غدیر، {اعمال خیر میں} ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کا دن ہے۔

۲۵۔ غدیر، محمد و آل محمد پر زیادہ سے زیادہ درود و صلوات بھیجنے کا دن ہے۔

---

[1] سورہ اسراء، آیہ ۱۹

[2] ۔ تفسیر نمونہ، آیۃ اللہ مکارم شیرازی، سورہ اسراء کی انیسویں آیت کے ذیل میں

۲۶۔ غدیر، رضاو خوشنودی کا دن ہے

۲۷ غدیر، اہل بیت پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ کی عید کا دن ہے۔

۲۸۔ غدیر، اعمال کی قبولیت کا دن ہے۔

۲۹۔ غدیر، {رزق و روزی اور اجر میں} اضافہ طلب کرنے کا دن ہے۔

۳۰۔ غدیر، مومنین کے آرام و آسائش کا دن ہے

۳۱۔ غدیر تجارت و منفعت کا دن ہے۔

۳۲۔ غدیر، محبت و مودت کا دن ہے

۳۳۔ غدیر رحمت پروردگار کے حصول کا دن ہے۔

۳۴۔ غدیر، تہذیب و تزکیہ نفس کا دن ہے۔

۳۵۔ غدیر، گناہان کبیرہ اور معصیتوں کو ترک کرنے کا دن ہے۔

۳۶۔ غدیر، عبادت و بندگی کا دن ہے۔

۳۷۔ غدیر، روزہ داروں کو افطاری دینے کا دن ہے؛ جو شخص کسی مومن بھائی کو اس دن افطار کرائے تو اس شخص کی طرح ہے جس نے ایک "فئام" کو افطار کرایا ہو{امام علیہ السلام نے اس بات کو دس مرتبہ دہرایا اور پھر فرمایا} جانتے ہو "فئام" کیا ہے؟

راوی نے عرض کیا: نہیں مولا!

آپ نے فرمایا: {فئام یعنی} ایک لاکھ![1] پس کیا کیفیت ہو گی اُس مومن کی جو مومنین و مومنات کے ایک گروہ کو اپنی تحت کفالت لے؟ میں ایسے شخص کے لئے ضمانت کرتا ہوں کہ اللہ اس کو کفر اور فقر سے امان دے گا۔

۳۸۔ غدیر، تبریک و تہنیت کا دن ہے؛ جب ایک مومن دوسرے مومن بھائی سے ملے تو اُسے کہنا چاہیے کہ "الحمد للہ الذی جعلنا من المتمسکین بولایۃ امیر المومنین و الائمۃ علیھم السلام" {تمام حمد و تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے ہمیں امیر المومنین اور ائمہ علیہم السلام کی ولایت سے تمسک رکھنے والوں میں قرار دیا ہے}

۳۹۔ غدیر، اہل ایمان کو دیکھ کر مسکرانے کا دن ہے۔ غدیر کے دن جو اپنے مومن بھائی کو دیکھ کر مسکرائے خداوند عالم روز قیامت اس پر اپنی نظر رحمت، اس کی ہزار مرادوں کو پورا، جنت میں اس کے لئے سفید موتیوں کا محل اور اُس کے چہرے کو نورانی فرمائے گا۔

[1] بعض روایات میں "فئام" کے معنی ایک لاکھ انبیاء، صدیقین اور شہداء کے بیان کئے گئے ہیں، جیسا کہ امام رضا علیہ السلام کی روایت کے مطابق روز غدیر حضرت امیر کے خطبہ میں بھی آیا ہے آگے انشاء اللہ ہم اس خطبہ کی طرف بھی اشارہ کریں گے

۴۰۔ غدیر، خود کو سنوارنے اور زینت بخشنے کا دن ہے۔
جو شخص یوم غدیر کی خاطر خود کو آراستہ اور اپنی زینت کرے تو خدائے متعال اُس کے چھوٹے بڑے تمام گناہوں کو معاف فرمائے گا اور کچھ فرشتوں کو اس کے پاس بھیجے گا تاکہ اس کے لئے نیکیاں لکھیں اور اگلے سال تک اُس کے درجات و مراتب کو بلند کریں۔ اس دوران اگر وہ مر جائے تو شہید کا اجر پائے گا اور اگر زندہ رہے تو سعادتوں سے مالامال زندگی جئے گا۔
غدیر کے دن اگر کوئی اپنے مومن بھائی کو کھانا کھلائے تو گویا اس شخص کی طرح ہے جس نے تمام انبیاء کو کھانا کھلایا ہو۔
غدیر کے دن اگر مومن کی ملاقات کو جائے تو خدائے متعال اس کی قبر میں ستّر نور داخل اور اس کی قبر کو کشادہ فرمائے گا اور ستّر ہزار فرشتے ہر روز اس کی زیارت کو آئیں گے اور جنت کی بشارت دیں گے..."[1]
جیسا کہ ہم نے عرض کیا یوم غدیر کے فضائل اور آداب و وظائف میں امام رضا علیہ السلام کا یہ بیان کافی طولانی ہے، اس طولانی ارشاد میں امام علیہ السلام فضائل غدیر کو بیان کرنے کے بعد اس بات کی طرف اشارہ فرماتے ہیں:
"وہ غدیر ہی کا دن تھا جب اللہ تبارک و تعالی نے کائنات کی ہر شئ اور مخلوق کے سامنے ولایت کو رکھا، جس نے قبول کیا اسے سعید و مبارک بنادیا اور جس نے ولایت کا انکار کیا اُسے نحس اور مطرود قرار دیا، جیسے زمینوں میں مکہ نے ولایت کو قبول کرنے میں سبقت کی تو اسے کعبہ سے نوازا، مدینہ نے سبقت کی تو اسے حرم نبی سے نوازا، کوفہ نے سبقت کی تو اسے حرم امیرالمومنین سے مشرف فرمایا، پہاڑوں میں عقیق، فیروزہ اور یاقوت نے سبقت کی تو ان کو مبارک اور مومن کی علامت قرار دیا..."
اسی طرح امام نے ایک ایک چیز کے بارے میں بیان فرمایا ہے، قارئین تفصیل کے لئے اصل روایت کی طرف رجوع فرماسکتے ہیں۔
ہم نے اختصار کے پیش نظر امام رضا علیہ السلام سے منقول دیگر روایات سے چشم پوشی کی آخر میں خداوند متعال سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہم کو غدیر کو صحیح طور پر سمجھنے اور اس کے مشن پر باقی رہنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہم کو نسلا در نسل غدیر سے جدا نہ فرمائے بلکہ روز بروز ہمارے دلوں کو اس کی محبت سے مملوء فرمائے آمین

[1] ۔ مسند الامام الرضا علیہ السلام، ج ۲، ص ۲۱؛ غدیر در گذر زمان، علی اکبر مہدی پور، ص ۱۶۹

حجۃ الاسلام ڈاکٹر رضا شاکری
رئیس محترم نمائندگی

غدیر، تمام پیغمبروںؑ کی رسالت کا استمرار

غدیر؛ صحیح معنی میں امیرالمومنین علیہ السلام کی ولایت سے حقیقی تمسک کا نام ہے؛ یہ مہینہ (ذی الحجہ) ماہ ولایت ہے؛ غدیر دیگر اعیاد سے بڑی عید ہے کیونکہ وہ، امیر المومنینؑ کے فضائلات و کمالات پر ایک مھر کی حیثیت رکھتی ہے؛غدیر، خاتم النبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تحریک کے تسلسل و استمرار کا ذریعہ ہے جو اسلام میں ولایت کے رازوں میں سے ایک راز ہے

غدیر میں بہت سے ایسے مختلف رموز، اسرار مخفی ہیں کہ جن کی تبیین و تشریح کے لئے علامہ میر حامد حسین ہندی اور علامہ امینی جیسے علماء کی ضرورت ہے کیونکہ غدیر کوئی اتفاقی واقعہ اور حادثہ نہیں ہے، بلکہ پہلے ہی سے خدا کے حکم کے مطابق دقیق پلاننگ کے ساتھ وجود میں آیا ہے. جو رسالت کی آخری کڑی کو امامت و ولایت سے جوڑتا ہے تاکہ امت اپنے نبی کے بعد سرگرداں نہ رہے اور قیامت تک ہدایت کا سلسلہ چلتا رہے جیسا کہ قرآن کریم کی یہ آیت دلالت کرتی ہے:

"وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا...[1]"اور ہم نے ان سب کو پیشوا قرار دیا ہے. جو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے ہیں،

یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ قیامت تک ہر دور میں خدا کی جانب سے ایک امام کا ہونا ضروری ہے. جو لوگوں کو اس کے دین کی ہدایت کرتا ہے اور جو تمام مبلغان اسلام کے لئے قول فیصل ہو سب دین میں اس کی پیروی کریں اس کی معرفت ہر مسلمان پر واجب ہے اور عدم معرفت کفر و جاہلیت کی موت ہے شاید حضور کی یہ معروف حدیث جس کو فریقین نے مختلف عبارات کے ساتھ نقل کیا ہے اسی بات کی طرف اشارہ کرتی ہے "جو شخص اپنے زمانہ کے امام کو پہچانے بغیر دنیا سے چلا جائے اس کی موت کفر اور جاہلیت کی موت ہے" یا "جو شخص اس دنیا سے چلا جائے اور اس کی گردن پر کسی کی بیعت نہ ہو اس کی موت کفر و جاہلیت کی موت ہے" ظاہر ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ کلمات کسی پبلک کے بنائے ہوئے امام کے بارے میں نہیں ہو سکتے کیونکہ امت رہبر کے انتخاب میں خطا سے محفوظ نہیں ہے اسی لئے خدا نے ان کو ایسے اہم امر میں انتخاب کا حق بھی نہیں دیا وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاۤءُ وَيَخْتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ...[2] خدا نے عوام کی زبان کی ضمانت نہیں لی اس نے صرف اپنے رسول کی زبان لی کیونکہ وہ وحی اور مرضی الہی کے بغیر نہیں بولتے

---

[1] سورہ انبیاء ۷۳
[2] قصص ۶۸

"وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی "لہذا آپ ﷺ کے کلام کے مطابق کے خدا نے نبوت و رسالت کے اہداف کو بارہ اماموں کی امامت ذریعہ جاری و ساری رکھا جیسا کہ شیعہ کتب کے علاوہ ابرادران ہل سنت کی صحیح ترین کتب بخاری و مسلم میں منقول ہے جابر بن سمرہ کہتے ہیں: کہ میں نے آنحضرت سے سنا آپؐ فرماتے تھے (میری امت میں) بارہ امیر سردار ہونگے اس کے بعد ایک کلمہ فرمایا جس کو میں نے نہیں سنا میرے باپ سمرہ نے مجھ سے کہا آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ یہ سب قریش میں سے ہوں گے[1]

صحیح مسلم باب الامارۃ میں بھی پانچ حدیثیں جابر بن سمرہ سے ہیں ہم ایک نقل کرتے ہیں:

"میں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور میرے ساتھ میرے باپ بھی آپ فرماتے تھے یہ دین ہمیشہ غالب اور مضبوط رہے گا بارہ خلیفوں کی خلافت تک پھر آپ نے کچھ ارشاد فرمایا جو لوگوں نے مجھے سننے نہ دیا میں نے اپنے باپ سے پوچھا آپ نے کیا فرمایا انہوں نے کہا آپ ﷺ نے فرمایا وہ سب قریش میں سے ہونگے"

برادران اہل سنت کی عظیم شخصیت جوینی کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے اس کہ چیز کو جاننے کا شوق نہ صرف مسلمانوں میں تھا بلکہ یہودی بھی اس امر کو جاننا چاہتے تھے کہ آپ ﷺ کے بعد امت کی ہدایت کا نظام کن کے ہاتھوں میں ہوگا کونکہ وہ جانتے تھے کہ انبیاء کے اوصیاء ہوتے ہیں لہذا اگر یہ نبی ہیں تو پھر ان کا وصی کون ہے؟ لہذا جوینی اس ضمن میں مجاہد کی سند سے ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ: "نعثل" نام کا ایک یہودی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا اے محمد ﷺ میں تم سے چند چیزوں کے بارے میں سوال کروں گا جو ایک مدت سے میرے سینے میں جوش مار رہے ہیں اگر آپ نے ان کا جواب دیدیا تو میں آپ کے ہاتھوں پر اسلام لے آوں گا

آپ ﷺ نے فرمایا: اے **ابو عمارہ** سوال کرو

اس نے کہا: اے محمد ﷺ آپ مجھ سے اپنے پروردگار کے صفات بیان کیجئے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: س کی توصیف نہیں کی جاسکتی مگر انہیں صفات (یعنی الفاظ اور کلمات) سے جس سے خود اس نے اپنی توصیف کی ہے اور خالق کی صفات کو کیسے بیان کیا جاسکتا ہے جبکہ اس کو سمجھنے سے عقل عاجز ہیں اور اوہام کی اس تک رسائی ممکن نہیں، خیالات اس کو درک کرنے سے قاصر ہیں، آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتی خدا کی ذات ہر توصیف کرنے والے کی توصیف سے بلند و برتر ہے وہ اپنی نزدیکی میں بھی دور اور اپنی دوری میں بھی نزدیک ہے (یعنی دور ہوتے ہوئے بھی نزدیک اور نزدیک ہوتے ہوئے بھی دور ہے) وہ کیف الکیف اور این الاین ہے اس کے متعلق یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ کہاں ہے کیسا ہے

---

[1] صحیح بخاری ج ۳ ص ۸۹۵

کیونکہ وہ کیفیت[1] اور اینیت[2] سے پاک و پاکیزہ ہے وہ احد (یکتا) وصمد (بے نیاز) ہے جیسا کہ خود اس نے اپنی تعریف بیان کی ہے صفت بیان کرنے والے تو اس کی توصیف کر ہی نہیں سکتے کیونکہ وہ "لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ"[3] ہے

یہودی نے کہا: اے محمد آپ نے سچ فرمایا لیکن مجھ سے اپنے اس قول کی وضاحت کیجئے "وہ ایک ہے کوئی اسکے جیسا نہیں ہے" کیا اللہ ایک نہیں ہے اور کیا (گنتی کے اعتبار سے) انسان بھی ایک نہیں ہے؟ پھر دونوں کے ایک ہونے میں کیا فرق ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ جل شانہٗ کی وحدانیت "احدی المعنی" ہے یعنی وہ ایسا ایک ہے کہ جس کا کوئی جز نہیں ہے اور نہ کسی چیز سے مل کر بنا ہے جبکہ انسان کی وحدانیت "ثنائی المعنی" ہے یعنی وہ ایسا ایک ہے جو روح اور بدن سے مل کر بنا ہے؟

یہودی نے کہا: آپ نے سچ فرمایا لیکن اب مجھ کو بتائیں کہ **آپ کا وصی کون ہے**؟ کیونکہ ہر نبی کا ایک وصی ہوتا ہے جیسے ہمارے نبی موسیٰؑ بن عمران نے اپنا وصی یوشعؑ بن نون کو بنایا تھا۔۔۔ آپ نے فرمایا: میرا وصی علیؑ بن ابی طالبؑ ہے اور ان کے بعد میرے دونوں نواسے حسنؑ اور حسینؑ ہیں اس کے بعد نو آئمہ حسینؑ کے صلب سے ہیں۔

یہودی نے کہا: اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ سے ان (نو آئمہ) کے نام بتائیے آپ نے فرمایا جب حسینؑ اس دنیا سے چلے جائیں گے تو ان کے بیٹے علی ہونگے پھر ان کے بیٹے محمد پھر ان کے بیٹے جعفر پھر ان کے بیٹے موسی پھر ان کے بیٹے علی پھر ان کے بیٹے محمد پھر ان کے بیٹے علی پھر ان کے بیٹے حسن اور جب حسن بھی اس دنیا سے رخصت ہو جائیں گے تو ان کے بیٹے محمد مہدی ہونگے یہ بارہ ۱۲ ہیں

یہودی نے کہا: مجھے علیؑ حسنؑ اور حسینؑ کی وفات کی کیفیت کے بارے میں بتلائے

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: علیؑ کو ان کے سر پر ضربت مار کر شہید کیا جاے گا، اور حسنؑ کو زہر سے شہید کیا جائے گا اور حسینؑ کو ذبح کیا جائے گا۔

یہودی نے کہا کہ انکا مقام کہاں پر ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ لوگ جنت میں میرے ہم درجہ ہونگے

یہودی نے کہا: اشھد ان لا الہ الا اللہ وانك رسول اللہ اشھد انھم الاوصیاء بعدك۔

---

[1] یعنی کیسا ہے

[2] یعنی کہاں ہے

[3] اخلاص ۴، ۳

میں گواہی دیتا ہوں خدا کے سوا کوئی خدا نہیں ہے اور آپ اللہ کے رسول ہیں اور یہ حضرات آپ کے بعد وصی ہے میں نے گزشتہ انبیا کی کتب میں یہی دیکھا ہے اور اسی چیز کی خبر ہم سے موسیٰ بن عمران نے دی تھی کہ آخری زمانہ میں ایک نبی ظہور کرے گا جس کو احمد اور محمد کے نام سے پکاریں گے وہ خاتم الانبیاء ہونگے ان کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا بلکہ ان کے بعد اس کے بارہ وصی ہونگے جن میں پہلا ان کا چچازاد بھائی اور ان کا داماد ہوگا اور دوسرے اور تیسرے وصی دو بھائی ہوں گے جو اسی کی اولاد میں ہونگے[1]

لہذا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غدیر خم میں صحابہ کو قرآن و اہل بیتؑ سے تمسک کی سفارش کرکے سلسلہ نبوت و رسالت کو امامت سے جوڑ دیا جس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مطلب یہ تھا کہ میرے بعد اخذ دین میں میرے اہل بیت کی طرف رجوع کرنا کیونکہ وہی عدل قرآن ، خلفا/اثنا عشر اور امت کو صحیح راستہ دکھانے والے ہیں جیسا کہ برادران اہل سنت کی اس روایت سے واضح ہے

عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ رضی الله عنه قَالَ: قَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَوْمًا فِينَا خَطِيبًا. بِمَاءٍ يُدْعَى خُمًّا. بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِينَةِ. فَحَمِدَ اللهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ، وَوَعَظَ وَذَكَّرَ ثُمَّ قَالَ: أَمَّا بَعْدُ. أَلَا أَيُّهَا النَّاسُ، فَإِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ يُوشِكُ أَنْ يَأْتِيَ رَسُولُ رَبِّي فَأُجِيبُ، وَأَنَا تَارِكٌ فِيكُمْ ثَقَلَيْنِ: أَوَّلُهُمَا: كِتَابُ اللهِ فِيهِ الْهُدَى وَالنُّورُ فَخُذُوا بِكِتَابِ اللهِ. وَاسْتَمْسِكُوا بِهِ. فَحَثَّ عَلَى كِتَابِ اللهِ وَرَغَّبَ فِيهِ، ثُمَّ قَالَ: وَأَهْلُ بَيْتِي. أُذَكِّرُكُمُ اللهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي أُذَكِّرُكُمُ اللهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي، أُذَكِّرُكُمُ اللهَ فِي أَهْلِ بَيْتِي[2]

”حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں خطبہ دینے کے لئے مکہ اور مدینہ منورہ کے درمیان اس تالاب پر کھڑے ہوئے جسے خُم کہتے ہیں ۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور وعظ و نصیحت کے بعد فرمایا: اے لوگو! میں تو بس ایک آدمی ہوں عنقریب میرے رب کا پیغام لانے والا فرشتہ (یعنی فرشتہ اجل) میرے پاس آئے گا اور میں اسے لبیک کہوں گا۔ میں تم میں دو عظیم چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، ان میں سے پہلی اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جس میں ہدایت اور نور ہے ۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب پر عمل کرو اور اسے مضبوطی سے تھام لو، پھر آپ نے کتاب اللہ (کی تعلیمات پر عمل کرنے پر) ابھارا اور اس کی ترغیب دی پھر فرمایا: اور (دوسرے) میرے اہل بیت ہیں میں تمہیں اپنے اہل بیت کے متعلق اللہ کی یاد دلاتا ہوں، میں تمہیں اپنے اہل بیت کے متعلق اللہ کی یاد دلاتا ہوں. میں تمہیں اپنے اہل بیت کے متعلق اللہ کی یاد دلاتا ہوں ۔“

اس حدیث کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل بیتؑ کو قرآن کے ہمراہ بعنوان مفسر و مبین قرار دیا اور تین بار ان کے بارے میں یاد دہانی کرائی تاکہ صحابہ اور ان کی اولاد نسل در نسل کو اپنا مقتدا و پیشوا قرار دے ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس لئے سفارش نہ کی کہ

---

[1] . جوینی، فرائد السمطین ج ۲ ص ۱۳۴ چاپ موسسہ المحمودی بیروت لبنان

[2] إخرجہ مسلم فی الصحیح، کتاب: فضائل الصحابة: من فضائل علی بن إبی طالب رضی اللہ عنہ، ۱۸۷۳/۳، الرقم: ۲۴۰۸، وإحمد بن حنبل فی المسند، ۳۶۶/۴، الرقم: ۱۹۲۶۵، والبیہقی فی السنن الکبری، ۱۴۸/۲، الرقم: ۲۶۷۹، وابن حبان فی الصحیح، ۱۴۵/۱، الرقم: ۱۲۳، واللالکائی فی إعتقاد اہل السنة، ۷۹/۱، الرقم: ۸۸، وابن کثیر فی تفسیر القرآن العظیم، ۴۸۷/۳
.

آپ کے اہل بیت تنگ دست تھے جس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان مالی حمایت کی درخواست کی!!! بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات کا خطرہ تھا کہ کہیں میری امت قرآن اور دین کو اغیار سے حاصل نہ کریں

اس بنا پر یہاں یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ غدیر ایک اسلامی مسئلہ ہے، اور اس کا تعلق صرف مذہب تشیع سے نہیں بلکہ واضح طور پر خدا کی جانب سے ولایت کے الہی ہونے کا دن ہے کیونکہ تمام پیغمبروں کی رسالت کا امتداد و تسلسل اسی میں مضمر ہے

شاید یہ کہا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا کہ غدیر دین و مذہب سے بھی مافوق ہے اس لئے کہ یہ صرف مسلمانوں کے لئے نہیں بلکہ تمام انسانی معاشرے کی نجات کا ذریعہ ہے، اور انسانیت کے لیے کمال، سلامتی اور امن تک پہنچنے کا آغاز ہے کیونکہ غدیر انسانی معاشرہ کے لئے پرہیزگار اور معصوم رہبر اور ان کے جانشینوں کی حکومت کے آغاز کا دن ہے

جس کا نتیجہ پوری دنیا سے ظلم، بغاوت اور ناانصافی کا خاتمہ، معاشرے میں عدل و انصاف کی حکمرانی اور ایک لحاظ سے اسی خدائی وعدے کی تکمیل ہے جو قرآن کریم میں بیان ہوا ہے۔

«وَنُرِيدُ أَن نَّمُنَّ عَلَى ٱلَّذِينَ ٱسۡتُضۡعِفُواْ فِي ٱلۡأَرۡضِ وَنَجۡعَلَهُمۡ أَئِمَّةٗ وَنَجۡعَلَهُمُ ٱلۡوَٰرِثِينَ» (قصص/۵)

اور ہم یہ چاہتے ہیں کہ جن لوگوں کو زمین پر کمزور بنا دیا گیا ہے ان پر احسان کریں اور انہیں لوگوں کا امام بنائیں اور زمین کا وارث قرار دیدیں

ہم اس ذات والامقام کے ظہور اور ان کی رکاب میں فداکاری کے لمحات گن رہے ہیں خداوند متعال سے دعاگو ہیں ان کی تمام جہات سے حفاظت فرمائے اور ہماری جان کو ان کے قدموں پر نثار فرمائے۔ آمین

پیغمبر ﷺ کے جلیل القدر صحابی مقدادؓ

مقداد بن عمروؓ جن کو ہم مقداد بن اسودؓ کے نام سے جانتے ہیں پیغمبر اکرم ﷺ کے بزرگ اور جلیل القدر اصحابؓ میں سے تھے۔ وہ امام علی علیہ السلام کے باوفا ساتھیوں میں سے تھے۔ ان کی پیدائش یمن میں ہوئی۔ ان کی شریک حیات ضباعۃ، پیغمبر ﷺ کی چچی زاد بہن تھیں۔

مقدادؓ اسلام کے ابتدائی ایام میں مسلمان ہوئے اور ان ابتدائی لوگوں میں سے تھے جنہوں نے کھلے عام اپنے اسلام کا اظہار کیا۔ صدر اسلام کی تمام جنگوں میں شرکت کی جنگ بدر میں ان کا پر معرفت بیان آج بھی تاریخ کے صفحات پر رقم ہے جس سے ان کی رہبر الہی کے سامنے محض اطاعت واضح و آشکار ہے

جنگ بدر میں پیغمبر گرامی ﷺ اپنے سرسخت دشمنوں کے مقابل اپنے اصحاب کی آزمائش کے لیے لئے ان کو مشورے کی خاطر جمع کیا تو مقداد نے اس خوف سے کہ کہیں اصحاب جنگ میں بے رغبتی اور بے توجہی نہ دکھائیں جس کی وجہ حضور ﷺ کبیدہ خاطر ہوں گفتگو کرنا چاہی لیکن ان سے پہلے شیخین نے کلام کیا لیکن حضرت مقدادؓ نے جس جوش و وارفتگی کے ساتھ اپنی فدویت و جان نثاری کا ثبوت دیا، اس نے یکایک تمام فدائیوں کے جذبہ سرفروشی میں ہیجان پیدا کر دیا، انہوں نے یہ کلمات حضور کے خدمت میں پیش کئے ہیں

"اے اللہ کے رسول اللہ نے جو حکم آپ دیا ہے اس کو عملی جامہ پہنائیں ہم آپ کی خدمت میں ہر طرح سے جانثاری کے لیے تیار ہیں خدا کی قسم ہم قومِ موسیٰ کی طرح آپ سے یہ نہیں کہیں گے کہ تو اور تیرا خدا جا کر لڑے، بلکہ ہم کہیں گے آپ اپنے پروردگار کے حکم سے جنگ کیجئے ہم بھی آپ کی رکاب میں (دشمنوں سے) جنگ کریں گے

قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، اگر آپ ہم کو "برک غماد" تک لے چلیں گے ہم آپ کے دائیں بائیں آگے پیچھے (ہر طرف سے) جنگ کریں گے تا کہ خدا آپ کو کامیابی عطا فرمائے"[1]

اس سادہ لیکن پر جوش اظہار جانثاری سے آنحضرت ﷺ اس قدر خوش ہوئے کہ فرط انبساط سے چہرۂ مبارک چمک اٹھا[2] اور آپ کے لبہائے مبارک مقداد کے حق میں زمزمہ گو ہوئے

[1] سیرت ابن ہشام: ۳۵/۱

[2] ۔بخاری باب غزوۂ بدر

ان کی تقریر نے ایسا ایسا جذبہ جہاد پیدا کیا سعد بن معاذؓ نے ان کے بعد اُٹھ کر یوں کلام کیا "یارسول اللہ ﷺ ہم آپ پر ایمان لائے، رسالت کی تصدیق کی، اس بات کا قرار کیا کہ دین و آئین حق ہے اطاعت و فرمابرداری کی آپ سے بیعت کی، پس جو ارادہ ہو کیجئے، ہم آپ کی رکاب میں حاضر ہیں، اس ذات کی قسم جس نے آپ کو نبی بنا کر بھیجا اگر آپ ﷺ سمندر میں کودنے کو کہیں تو ہم حاضر ہیں ہمارا ایک آدمی بھی اپنی جگہ نہ بیٹھے گا، اگر کل ہی ہم کو دشمنوں کے مقابل کھڑا کریں تو ہم دشمنوں جنگ کے وقت ہرگز پشت نہ کریں گے بلکہ میدان میں دشمنوں سے جنگ کے وقت ثابت قدم رہیں گے شاید خدا ہماری (کارکردگی) وجہ سے جو چیز آپ کی آنکھوں کی خنکی کا سبب ہو وجود میں لائے پس ہم کو حکم دیجئے.....)

مقدادؓ اور تہذیب نفس

"حضور ﷺ نے آپ کو کسی سرزمین کا فرمانروا قرار دیا جب واپس آئے تو آپ ﷺ نے ان سے سوال کیا کہ تم نے حکومت کو کیسا پایا انھوں نے صداقت و صراحت کے ساتھ جواب دیا" آپ نے مجھے فرمانروا بنا کر ایسے مقام پر کھڑا کر دیا کہ جب میں نے اپنے اوپر نگاہ کی تو ایسا محسوس ہوا کہ جیسا کہ میں لوگوں سے اوپر ہوں اور وہ سب مجھ سے نیچے ہیں خدا کی قسم جس نے آپ کو برحق مبعوث کیا ہے اس کے بعد کسی کے اوپر بھی فرمانروائی نہیں کروں گا"

انسان کی فراست یہی ہے کہ اگر وہ کہیں خطرۂ ایمانی محسوس کرے تو اس میں وارد ہونے اپنے کو بچائے جیسے مقدادؓ نے کیا کہ جب انھوں نے یہ دیکھا کہ کہیں حکومت و فرمانروئی ان میں کبر و نخوت پیدا نہ کر دے لہذا ہمیشہ کے لئے اس سے دست بردار ہو گئے اکثر پیغمبر ﷺ کی اس حدیث کو زمزمہ کرتے تھے "سعادتمند وہ ہے جو فتنوں سے اپنے کو برکنار رکھے"

مقدادؓ کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ وہ کسی کے بارے میں جلدی اظہار نظر نہ کرتے بلکہ آخر تک تاخیر کرتے

ہمیشہ اسلام کی سربلندی کے طالب

ایک دن مقدادؓ لشکر کے ہمراہ دشمن سے لڑنے کے لیے گئے دشمنوں نے سپاہ اسلام کا محاصرہ کر لیا اسلامی کمانڈر نے لشکر کو حکم دیا کہ کسی سپاہی کو اجازت نہیں ہے کہ وہ اپنے مرکب کو چرائے ایک شخص جو اس موضوع سے بے خبر تھا اس نے مسئلہ کو معمولی سمجھ کر اس کے حکم سے سرپیچی کی جس کی بنا پر کمانڈر نے اس کو حد سے زیادہ سزا دی کہ جس کا وہ مستحق نہیں تھا مقدادؓ کا گزر اس شخص کے پاس ہوا دیکھا آہ و بکا و نالہ فریاد کر رہا ہے مقدادؓ نے رونے کی وجہ پوچھی تو اس نے پورا واقعہ سنایا مقدادؓ اس کا ہاتھ پکڑ کر کمانڈر کے پاس لے گئے اور اس سے بازپرس کی جس کے نتیجے میں کمانڈر کی غلطی خود اس پر ثابت ہو گی مقدادؓ نے کہا تم سے غلطی سرزد ہوئی ہے تو اس کا قصاص دو اور سزا کے لئے اپنے کو اس کے حوالے کرو کمانڈر نے کہا آپ نے سچ کہا اور قصاص کے لئے آمادہ ہو گیا لیکن اس شخص نے اپنے حق سے درگزر کیا اور کمانڈر و کو معاف کر دیا مقدادؓ نے اپنی کارکردگی اور اپنے

دین کی عظمت وبلندی کی بنا پر کہ جس نے ان کو عزت بخشی تھی فخر کرتے ہوئے راہی منزل ہوئے اس حالت میں کہ ان کی زبان پر یہ زمزمہ تھا "اسلام میرے مرتے دم تک عزیز و سربلند رہے"

واقعا مقدادؓ ایسے تھے ان کا نام سلمان فارسیؓ، ابوذرؓ اور عمار بن یاسرؓ کے ساتھ مولا علی علیہ السلام کے خاص ابتدائی شیعوں میں آتا ہے۔ ان کو مطیع ترین اصحاب اور شیعوں میں شمار کیا گیا ہے۔ وہ ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے پیغمبر کے غسل اور تدفین میں شرکت کی اسی طرح حضرت صدیقہ طاہرہ، فاطمۃ الزہراء (سلام اللہ علیہا) کی تشییع جنازہ میں شرکت کرنے والوں میں سے تھے۔ ان کا شمار ان حضرات میں سے ہے جو امام زمانہ علیہ السلام کے ظہور کے وقت رجعت کریں گے انھوں نے پیغمبر کی وفات کے بعد امام علی علیہ السلام کی جانشینی کی حمایت کی اور ابوبکر کی بیعت نہیں کی بلکہ مختلف مواقع پر ابوبکر اور ان کے ساتھیوں کو امام علی علیہ السلام کی جانشینی کی یاددھائی کرائی اور آیات وروایات وغیرہ کی روشنی میں مسئلہ خلافت کو روشن کیا

وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت طاہرین کے ان بہترین جانثاروں کہ جنہوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت کی ہم یہاں تین نمونہ مثال کے طور پر پیش کرتے ہیں

۱۔ خلیفہ اول کی بیعت نہ کرنا:

مہاجر و انصار میں سے ایک گروہ نے ابوبکر کی بیعت سے انکار کر کے سید الاوصیاء حضرت علی علیہ السلام سے ملحق ہوگئے تھے اس میں مقداد بھی شامل تھے۔[1]

۲۔ سر مونڈواکر حمایت کے لئے حاضر ہونا

جب چالیس افراد امام علی علیہ السلام کے پاس آئے اور کہا کہ ہم آپ کی حمایت کے لئے آمادہ ہیں تو امامؑ نے کہا کہ اگر اپنی بات میں سچے ہو تو کل اپنا سر منڈواکر آنا اگلے دن صرف سلمان اور مقداد اور ابوذر سر منڈواکر آئے تھے۔[2]

۳۔ عبد الرحمن بن عوف کے حضرت علی علیہ السلام کو خلافت سپرد نہ کرنے پر سرزنش کرنا۔

عمر کے بعد خلیفہ کے تعین کیلئے بنائی گئی چھ رکنی شورای میں جب عبد الرحمن بن عوف نے حضرت علیؑ سے کہا: میں صرف اس صورت میں آپ کی بیعت کرونگا جب آپ خدا کی کتاب (قرآن)، پیغمبر اکرمؐ کی سنت اور ابوبکر کی سیرت کی پیروی کریں، لیکن حضرت علیؑ نے صرف پہلی دو شرطوں کو قبول کیا اور ابوبکر کی سیرت کو ٹھکرادیا جس کی بنا پر عبد الرحمن نے خلافت عثمان کے حوالے کردی تو اس موقع پر مقدادؓ نے اس کی طرف رخ کر کے کہا: خدا کی قسم! تونے ہمیشہ حق اور عدالت پر فیصلے کرنے والے علیؑ، کو چھوڑ دیا پھر کہا: میں نے کسی نبی کے بعد ان کے کسی فرد یا خاندان کو اہل بیتؑ سے زیادہ مظلوم نہیں پایا۔[3]

---

[1] آبی، نثر الدر فی المحاضرات، ۱۴۲۴ق، ج۱، ص۲۷۷؛ ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ، ۱۴۱۸ق، ج۱، ص۱۳۸-۱۳۷؛ شیخ صدوق، الخصال، ۱۴۰۳ق، ص۴۶۵-۴۶۱.

[2] یعقوبی، تاریخ یعقوبی، ۱۳۷۳ش، ج۲، ص۱۲۶.

[3] ۔ طبری، تاریخ طبری، بیروت، ج۴، ص۲۳۳.

انھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آخری وقت لوگوں نے قلم دوات دینے انکار کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی مخالفت کی جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہہ رہے تھے خدا لعنت کرے اس شخص پر جو جیش اسامہ میں شریک نہ ہو اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ان کے اہل بیتؑ پر ظلم ہوتے دیکھا جس کے پیش نظر ایک شخص کے جواب فرمایا جس کو راوی نے یوں نقل کیا ہے

’’ہم ایک دن مقدادؓ کی خدمت میں حاضر تھے ایک شخص کا گذر ہمارے پاس سے ہوا اس نے مقدار کو خطاب کر کے کہا خوشا نصیب ہیں یہ دونوں آنکھیں جنہوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا ہے خدا کی قسم ہماری آرزو ہے جو تم نے دیکھا ہم بھی دیکھتے مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے اس کی طرف رخ کر کے کہا کیوں تم اس چیز کے دیکھنے کے آرزومند ہو جس کو خدا نے آنکھوں سے چھپایا ہے وہ (آرزو کرنے والا) نہیں جانتا اگر وہ اس دور میں ہوتا تو کیا کرتا خدا کی قسم کچھ لوگ حضور کے ہم عصر تھے جنہیں خدا نے جہنم روانہ کیا، کیا تم خدا کے شکرگزار نہیں ہو کہ جس نے تم ان آزمائش سے دور رکھا اور تم کو خدا، اور اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے والا قرار دیا‘‘[1]

مقداد معصومین کی روایت میں

۱۔ محبت رسول خدا: پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: خداوند متعال نے مجھے چار افراد سے محبت کا حکم دیا۔ کسی نے سوال کیا وہ اشخاص کون ہے۔ حضور نے ارشاد فرمایا علی سلمان مقداد ابوذرؓ۔[2]

۲۔ مقدادؓ کا بہشتی ہونا: انس بن مالک سے روایت ہے کہ ایک دن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جنت میری امت کے چار افراد کے مشتاق ہیں جب حضرت علی علیہ السلام نے ان لوگوں کے بارے میں سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ان میں سے پہلے آپ ہو اور باقی تین افراد مقداد سلمان ابوذر ہیں۔

امام صادق علیہ السلام نے آیہ (إِنَّ ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَعَمِلُواْ ٱلصَّٰلِحَٰتِ كَانَتۡ لَهُمۡ جَنَّٰتُ ٱلۡفِرۡدَوۡسِ نُزُلًا)[3] کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ یہ آیت ابوذر، مقداد، سلمان اور عمار سے متعلق نازل ہوئی۔[4]

۳۔ ایمان کے آٹھویں درجہ پر فائز: امام صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ ایمان کے دس درجے ہیں، مقداد آٹھویں درجے پر، ابوذر نویں درجے پر، اور سلمان دسویں درجے پر ہیں۔[5]

۴۔ آیہ مودت پر عمل کرنے والے:

---

[1] قہرمان راستین ۲۵۳ خالد محمود

[2] ۔ شیخ مفید، الاختصاص، جامعہ مدرسین، ص۹.

[3] ۔ سورہ کہف، آیت ۱۰۷.

[4] مجلسی، بحارالانوار، ۱۴۰۳ق، ج۴، ص۱۵۱.

[5] ۔ قمی، شیخ عباس، منتہی الآمال، ۱۴۱۳ق، ج۱، ص۲۲۸

امام صادق علیہ السلام نے آیہ مودت (قُل لَّآ أَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَيۡهِ أَجۡرًا إِلَّا ٱلۡمَوَدَّةَ فِي ٱلۡقُرۡبَىٰ)[1] سے متعلق فرمایا خدا کی قسم اس آیت پر صرف سات افراد کے علاوہ کسی اور نے عمل نہیں کیا اور ان میں سے ایک مقداد ہے۔[2]

اور بھی بہت ساری روایتیں ہیں لیکن ہم نے اختصار کے لیے کچھ ہی روایت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

مقداد کے ظاہری صفات اور اخلاق کے بارے میں شیخ محمد جواد آل فقیہ اپنے کتاب (المقداد بن الاسود الکندی اول فارس فی الاسلام)[3] میں لکھتے ہیں: وہ بلند قامت تھے، ان کا رنگ سفید، چہرہ نورانی تھا، داڑھی کو خضاب کرتے تھے، ان کے سر پر بال زیادہ تھے، آنکھیں بڑی اور آبرو ملی ہوئی تھیں، وہ ایک خوبصورت انسان تھے جیسا ان کے بیٹے ان کے بارے میں کہتے ہیں۔

وہ شہسوار و بہادر تھے، ایک ہزار آدمی کی برابری کرتے تھے جیسے کہ عمرو بن عاص ان کے بارے میں کہتا ہے، وہ پیغمبر اکرم ﷺ کے تیر اندازوں میں سے تھے، اسلام میں سب سے پہلے اسب سوار تھے، وہ پیغمبر ﷺ کے فاضل، شریف، بزرگ اور برگزیدہ اصحاب میں سے تھے۔ حکم جہاد کے وقت سب سے پہلے لبیک کہنے والوں میں تھے حتی سن رسیدہ ہونے کے بعد بھی جہاد میں سبقت کرنے والوں میں سے تھے۔

وہ اخلاق کی بلندیوں پر فائز تھے، بہت ہمت والے، صبور، پاکیزہ دل، مشکلات اور سختیوں میں ثابت قدم، نیکیوں میں اخلاص کے لئے کوشاں، سرسخت ترین دشمنوں پر احسان کرتے، ارادہ میں قوی، یقین میں پائیدار کوئی چیز انہیں ان کے ایمان و عمل سے ہٹا نہیں سکتی تھی۔ ان کی توصیف کے لئے یہی کافی ہے کہ کوئی شخص نہیں تھا جو ان سے ملنے کا متمنی یا ان سے ملنے کے لئے نہ آیا ہو، ان کا دل لوہے کی طرح مضبوط تھا۔ وہ ان لوگوں میں سے تھے جو پیغمبر ﷺ کے نقش قدم پر چلتے تھے وہ عظیم القدر، شریف المنزلت تھے، انہوں نے دوبار ہجرت کی ایک بار حبشہ اور دوسری بار مدینہ کی طرف، انہوں نے جنگ بدر اور اس کے بعد کی صدر اسلام میں ہونے والی جنگوں میں شرکت کی۔

ان میں بہت سی فضیلتیں جمع تھیں اور کیوں اتنے مناقب نہ ہوتے جبکہ مقدادؓ پیغمبر اکرم ﷺ کے تربیت یافتہ اور نفس رسول امیر مومنان علی بن ابی طالب کے جان نثار اور فدائی اصحاب میں سے تھے اسی بنا پر مکتب تشیع ان کو عظمت واحترام کی نگاہ سے دیکھتا ہے پیروان اہل بیتؑ اپنے بچوں کے ناموں کو ان کے نام پر رکھنا باعث افتخار سمجھتے ہیں سلام ہمارا ان کی ذات والا مقام پر کہ جو ہمیشہ رسول اور نفس رسول کی دل ٹھنڈک بن کر رہے۔

---

[1] ۔ سورہ شوری، آیت ۲۳.

[2] مجلسی، بحار الانوار، ۱۴۰۳، ج ۲۳، ص ۲۳۷

[3] ص ۱۸، ۱۹ (مختصر تغییر کے ساتھ)

تحریر: علامہ سید جعفر مرتضیٰ عاملیؒ
ترجمہ: مولانا فیروز علی بنارسی

غصب خلافت میں قریش کا کردار

جب ہم قرآن کریم کی طرف رجوع کریں گے تو دیکھیں گے کہ قرآن نے رسول اکرم ﷺ کی حیات میں لوگوں کے کئی دستوں کی موجودگی کو واضح طور پر بیان کیا ہے۔ وہ بھی ایسے دستے جو براہ راست رسول اکرم ﷺ کے روبرو کھڑے ہو جاتے تھے اور آپ کو حکم امامت اور اس سلسلہ میں حجت و دلیل قائم کرنے کی راہ میں رکاوٹ بنتے تھے یہاں تک کہ آنحضرت ﷺ خداوند عالم سے عصمت و تحفظ کی دعا کے نیاز مند ہو گئے تھے تاکہ ایسے لوگوں کا مقابلہ کر سکیں اور ان کی سرکشی کا منہ توڑ جواب دے سکیں۔

یہ اشرار، جسور، نافرمان اور جرم پیشہ افراد کون تھے؟! جو نبوت کے مقام اقدس کی شان میں جسارت کرتے تھے اور خدا کے احکام و فرامین پہنچانے کی راہ میں روڑے اٹکاتے تھے۔

جواب: تاریخ، حدیث اور سیرت کی کتابیں ایسے ثبوتوں، قطعی دلیلوں اور واضح براہین سے بھری پڑی ہیں جو ایسے لوگوں کے چہرے سے پردہ اٹھاتی ہیں اور امامت کے انکار، جڑ سے مٹانے، نابود کرنے کے لئے پوری سعی و کوشش کو بروئے کار لانے کے سلسلہ میں ان کے حد درجہ عزم و ارادہ کو برملا کرتی ہیں۔

ہم ان لوگوں کی نشاندہی کرانے کے مقام میں پہلے یہ بات کہیں گے کہ صد حیف کہ وہ لوگ رسول خدا ﷺ کے قبیلہ اور خود قریش تھے۔ وہی قریش جس نے ظہور اسلام کے آغاز میں اسلام سے جنگ کی اور اس وقت اسلام سے برسرپیکار ہوئے جبکہ ابھی اسلام نرم و نازک ٹہنی کے مانند تھا۔ پھر اس وقت بھی اسلام سے لڑے جب وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہو گیا اور اس کے ستون مضبوط ہو گئے اور اس وقت بھی اسلام سے محاذ آرا ہوئے جب اسلام اپنی زندگی، دوام اور بقا کے لئے ایک ضروری اور اہم عنصر یعنی عنصر امامت و قیادت سے محروم کرنے کا ارادہ کیا۔

ذیل کے بیانات قریش کی اسی سیاست پر بہترین گواہ ہیں، ہمیں چاہئے کہ ان کا بغور، صبر و حوصلہ کے ساتھ، ٹھہر ٹھہر کر مطالعہ کریں۔

واضح بیانات

خلیفۂ سوم نے ابن عباس سے کہا: مجھے معلوم تھا کہ حکومت و ولایت آپ لوگوں کا حق تھی لیکن خود آپ کے قبیلہ نے ہی آپ لوگوں کو اس سے دور کر دیا۔

پھر روایت نے خلیفۂ سوم کی ایک اور بات اور ابن عباس کے جواب کا ذکر کیا ہے۔ ابن عباس کے جواب کا ایک حصہ یہ ہے: جہاں تک ہماری قوم کا امر خلافت کو ہم سے دور کرنے کا مسئلہ ہے تو خدا کی قسم وہ حسد اور ظلم و زیادتی کی بنا پر ہے جیسا کہ تم جانتے ہو۔ خدا کی قسم تم ہمارے اور ہمارے قبیلہ کے معاملہ کو جانتے ہو۔[1]

وہ چھ آدمیوں کی شوریٰ کہ جسے خلیفۂ دوم نے معین کی تھی، جب اس کے نتائج سامنے آئے تو بنی مخزوم کے ایک آدمی نے عمار سے کہا: تمھیں قریش کے اپنے آدمیوں کو حاکم بنانے سے کیا مطلب؟!

پھر روایت جاری رہتی ہے یہاں تک کہ بیان کرتی ہے کہ مقداد نے کہا: خدا کی قسم جیسا اس گھر والوں کے ساتھ ہوا میں نے ایسا کسی کے ساتھ ہوتے نہیں دیکھا، قریش پر تعجب ہے کہ اس نے ایک ایسے آدمی کو نظر انداز کر دیا ہے کہ جس کے بارے میں نہ ہی میں کہہ سکتا ہوں اور نہ ہی جانتا ہوں کہ کوئی اس سے زیادہ عادلانہ فیصلہ کرنے والا ہو۔[2]

ابوہیثم ابن تیہان نے امیر المومنین علیہ السلام کی موجودگی میں خطبہ دیتے ہوئے عرض کیا:

قریش کا آپ سے حسد کرنا دو طرح سے ہے۔ قریش کے اچھے لوگوں نے لوگوں کے درمیان مقابلہ اور درجہ کی بلندی میں آپ کے مانند بننے کی آرزو کی اور قریش کے برے لوگوں نے آپ سے حسد کیا کہ جس نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے اور ان کی نیکیوں کو برباد کر دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے دیکھا کہ آپ کی نعمتیں جن کو قسمت نے آپ تک پہونچایا ہے اور محرومی نے ان کو اس سے دور رکھا ہے۔ وہ اس بات پر راضی نہ ہوئے کہ آپ سے وابستہ اور ملحق ہو جائیں بلکہ انھوں نے چاہا کہ آپ سے آگے نکل جائیں۔ خدا کی قسم وہ اس سے بہت ہی زیادہ دور ہو گئے اور مقابلہ ہار گئے۔ جب آپ ان سے آگے نکل گئے اور وہ آپ سے ملحق ہونے سے عاجز رہ گئے تو انھوں نے آپ کے ساتھ وہ کیا جو آپ نے خود دیکھا۔ خدا کی قسم آپ قریش کی قدردانی کے لئے قریش میں سب سے زیادہ حقدار تھے۔۔۔[3]

خلیفۂ سوم کے فرزند عمرو نے کہا: میں نے آج کے مانند نہیں سنا کہ خلیفہ عثمان کے قتل کے بعد روئے زمین پر بنی عبد المطلب میں سے کوئی باقی رہے۔۔۔ ذلت و رسوائی کہ وہ حسن اور بنی عبد المطلب کے سارے افراد، قاتلین عثمان زندہ رہیں اور روئے زمین پر چل پھر رہے ہوں۔۔۔۔[4]

وہ لوگ یہ باتیں کہہ رہے ہیں جو اچھی طرح جانتے ہیں کہ امام حسن علیہ السلام تو اس وقت عثمان کا دفاع کر رہے تھے جب وہ اپنے گھر میں گھرا ہوا تھا۔

---

[1] ۔ شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج۹، ص ۹

[2] قاموس الرجال، ج۶، ص ۳۸۵، ۳۸۴؛ شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج ۱۲، ص ۲۶۶

[3] الاوائل، ج۱، ص ۳۱۶۔ ۳۱۷

[4] الاحتجاج، ج۱، ص ۴۰۳

امام زین العابدین علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: مکہ اور مدینہ میں بیس آدمی بھی ایسے نہیں ہیں جو ہم سے محبت کریں۔[1]

جناب عباس عبد المطلب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: یا رسول اللہ! ہم گھر سے نکلتے ہیں تو قریش کو باتیں کرتے ہوئے دیکھتے ہیں لیکن جیسے ہی وہ ہمیں دیکھتے ہیں فوراً چپ ہو جاتے ہیں۔ یہ سن کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غضبناک ہوگئے اور آپ کی پیشانی پر پسینہ آگیا۔[2]

امام زین العابدین علیہ السلام اور ابن عباس سے بھی سوال کیا گیا: قریش آپ کے والد سے کتنی سخت دشمنی رکھتے تھے؟!!!

آپ نے فرمایا: اس لئے کہ انھوں نے ان کے اول کو جہنم میں بھیجا ہے اور ان کے آخری کو ننگ و عار میں مبتلا کیا ہے۔[3]

ابن عباس سے مروی ہے کہ خلیفۂ سوم نے حضرت علی علیہ السلام سے کہا: میرا کیا گناہ ہے اگر قریش آپ سے محبت نہیں کرتے؟!! آپ نے ان کے ستر آدمیوں کو مارا ہے گویا ان کے چہرے سونے کی تلوار ہیں۔[4]

اسی سے ملتی جلتی وہ روایت بھی ہے جسے عبد اللہ بن عمر نے نقل کی ہے کہ اس نے بھی امیر المومنین علیہ السلام سے یہی بات کہی تھی۔[5]

مروی ہے کہ عباس بن عبد المطلب نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: قریش ایک جگہ بیٹھے اپنے حسب و نسب کا تذکرہ کر رہے تھے اور انھوں نے آپ کی مثال چکی زمین پر لگے کھجور کے درخت سے دی تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔۔۔۔

ایک دوسری روایت کے مطابق انصار کے کچھ لوگ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے کہا: ہم آپ کے قبیلہ والوں سے باتیں سنتے ہیں یہاں تک کہ ان میں سے ایک نے کہا: محمد کی مثال کھجور کے درخت کی سی ہے۔[6]

وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ بنی ہاشم کو چھوڑ کر پورے قریش کا رجحان عثمان کی طرف تھا۔[7] جناب مقداد نے کہا: قریش پر تعجب ہے کہ قریش نے امر خلافت و ولایت کو اپنے نبی کے اہل بیت سے دور کر دیا ہے۔[8]

---

[1] شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج ۴، ص ۱۰۴

[2] مسند احمد بن حنبل، ج ۴، ص ۱۶۴؛ مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۳۳۳

[3] مناقب ابن شہر آشوب، ج ۳، ص ۲۲۰

[4] معرفۃ الصحابہ، ابو نعیم الورق ۲۲

[5] مناقب ابن شہر آشوب، ج ۳، ص ۲۲۰

[6] مسند احمد، ج ۴، ص ۱۶۶

[7] شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج ۹، ص ۵۲

[8] تاریخ الیعقوبی، ج ۲، ص ۱۶۳

ثقفی نے کہا: پورا قریش حضرت علی علیہ السلام کے خلاف بنی امیہ کے ساتھ تھا۔[1] خلیفۂ سوم کی بیعت کے بعد جناب عمار نے کچھ باتیں کہیں اور بیان کیا: یہ قریش ہی تھے جنھوں نے اس امر خلافت کو اہل بیتؑ سے دور کیا۔

پھر جناب مقداد نے عبدالرحمٰن بن عوف سے کہا: اے عبدالرحمٰن! مجھے قریش پر تعجب ہے کہ وہ اہل بیتؑ کے فضل وشرف کی بنا پر اپنے آپ کو لوگوں سے برتر سمجھتے ہیں وہی آج رسول خداﷺ کے بعد اقتدار کو اہل بیتؑ کے ہاتھوں سے چھیننا چاہتے ہیں۔اے عبدالرحمٰن! اگر مجھے قریش کے مقابلہ میں مددگار مل جائیں تو میں ان سے ویسے ہی جنگ کروں گا جس طرح میں نے روز بدر نبی اکرمﷺ کے رکاب میں ان سے جنگ کی تھی۔[2]

جب لوگ حضرت علی علیہ السلام کی بیعت کر چکے تو ابوالہیثم، عمار، ابوایوب، سہل بن حنیف اور ان کے ساتھ ایک جماعت کھڑی ہوئی اور یہ لوگ حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: اے امیرالمومنین! آپ اپنے امر میں غور کیجئے۔ اور قریش کے اس قبیلہ پر عتاب کیجئے، اس لئے کہ انھوں نے آپ سے کئے عہد و پیمان کو توڑا ہے، آپ سے کئے عہد کی خلاف ورزی کی ہے اور تنہائی میں ہمیں آپ کا ساتھ چھوڑ دینے کی دعوت دی ہے۔[3]

نیز براء بن عازب نے بیان کیا ہے: جب رسول خداﷺ کی وفات ہو گئی تو اس بات کا خوف پیدا ہوا کہ قریش اس امر ولایت وخلافت کو بنی ہاشم کے ہاتھوں سے نکالنے کے لئے اکٹھا نہ ہو جائیں۔[4]

مروی ہے کہ رسول خداﷺ نے حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا تھا: یہ امت میرے بعد تمھاری ساتھ غداری کرے گی۔[5]

نیز آنحضرتﷺ نے امیرالمومنین علیہ السلام کو خبر دی تھی کہ ان لوگوں کے سینوں میں کینے ہیں، وہ آپ کی رحلت کے بعد حضرت علی علیہ السلام سے ظاہر کریں گے۔

بعض کتابوں میں آیا ہے: یہ اس وقت کی بات ہے جب آنحضرت کی وفات کا قریب آگیا تھا۔[6]

خلیفۂ دوم بھی بیان کرتے ہیں۔

عمر نے حضرت علی علیہ السلام سے اس امر خلافت کو چھیننے کے سبب کو ابن عباس سے بیان کرتے ہوئے کہا: خدا کی قسم! ہم لوگوں نے ان کے ساتھ جو کچھ کیا ہے وہ دشمنی کی بنا پر نہیں کیا ہے بلکہ ہم نے انھیں چھوٹا سمجھا ہے اور ہمیں اس بات کا ڈر تھا کہ کہیں عرب اور قریش ان پر اکٹھا نہ ہو جائیں اس لئے کہ انھیں نے قریش کو مارا ہے۔[7]

---

[1] الغارات، ج۲، ص ۵۷۰

[2] مروج الذہب، ج۲، ص ۳۴۳

[3] شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج۲، ص۳۹۔۴۰

[4] شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، ج۲، ص۵۱

[5] تاریخ بغداد، ج۱۱، ص۲۱۶؛ مستدرک الحاکم، ج۳، ص ۱۴۲

[6] تذکرۃ الخواص، ص۴۵۔۴۶۔

[7] الغدیر، ج۱، ص۳۸۹

خلیفۂ دوم نے ابن عباس سے یہ بھی کہا تھا کہ قریش کو یہ بات گوارا نہ تھی کہ تمھارے گھر میں نبوت و خلافت جمع ہو جائے کہ تم لوگوں پر تکبر کرتے پھرو۔ لہٰذا قریش نے اپنے آپ کو دیکھا اور خود کو چن لیا اور وہ کامیاب بھی ہوئے اور مقصد تک پہنچ گئے۔[1]

ایک دوسرے مقام پر خلیفۂ دوم نے ابن عباس سے کہا: عرب نے علیؑ کو کمسن سمجھا۔

خلیفۂ دوم نے کھلم کھلا کہا کہ ان کی قوم نے ان کا انکار کر دیا۔[2]

ایک مناسبت سے خلیفۂ دوم نے ابن عباس سے کہا: نہیں ایسا نہیں ہے اس گھر کے پروردگار کی قسم قریش کبھی بھی ان کے ساتھ اکٹھا نہیں ہوں گے۔[3]

خلیفۂ دوم نے ہی ابن عباس سے یہ بھی کہا تھا: بے شک علیؑ خلافت کے سب سے بڑے حقدار ہیں، لیکن قریش انھیں برداشت نہیں کریں۔

مذکورہ مقالہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ:

قریش کے اہل بیت رسول سے خلافت کو غصب کرنے کی ایک وجہ ان حضرات گرامی سے بغض و عداوت اور کینہ تھی جب انسان کے اندر یہ صفت پیدا ہو جاتی ہے تو وہ اندھا ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے اس کو اپنے دشمن کی واضح ترین خوبیاں بھی دکھائی نہیں دیتیں اور وہ ہر آن اس کو اس کے مسلم حق سے محروم ہونے کی تک و دو میں رہتا ہے یہاں تک اس کو آخرت کا بھی خوف محسوس نہیں رہتا خداوند عالم سے دعا ہے کہ وہ ہم کو اس مہلک صفت سے محفوظ فرمائے اور اپنی رضا کی خاطر ہمیشہ سر تسلیم خم کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

---

[1] قاموس الرجال، ج۶، ص ۳۳

[2] شرح نہج البلاغہ، ج۱۲، ص ۴۶

[3] شرح نہج البلاغہ، ج۱۲، ص ۲۰۔۲۱

آیہ مباہلہ اور دینی عقائد کا تحفظ

مقدمہ:

۲۴ذی الحجہ ۹ہجری قمری وہ دن اور تاریخ ہے کہ جس میں سرکار رسالتمآب ﷺ اور علاقہ نجران کے عیسائیوں کے درمیان مباہلہ ہونا طے پایا تھا، نجران، اس زمانہ میں یمن کا ایک چھوٹا سا شہر تھا، جہاں عیسائی آباد تھے۔

مباہلہ کی علت:

سرکار رسالتمآب ﷺ کی مبارک زندگی کے آخری برسوں میں دین اسلام کا آوازہ دنیا کے تمام یا اکثر علاقوں میں پہنچ چکا تھا، سرکار مختلف مما لک کے ذمہ داروں کو خطوط لکھ کر اس بات کی سعی و کوشش فرمارہے تھے کہ جہاں تک ہوسکے اللہ کا دین پہنچادیا جائے اور اللہ کے بندوں کو اس کا گرویدہ بنادیا جائے، اسی مقصد کے تحت آپ نے ایک خط نو ہجری کے اواخر میں نجران کے عیسائیوں کی طرف بھی ارسال کیا تھا جسکا مضمون یہ تھا:

"ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کے خدا کے نام سے، یہ خط محمد کی جانب سے اسقف نجران کے نام ہے۔

میں ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کے خدا کی حمد و ستائش کرتاہوں اور تمہیں، بندوں کی عبادت و پرستش کے بجائے خداوند متعال کی عبادت و بندگی کی دعوت دیتاہوں۔

میں چاہتاہوں کہ تم، بندوں کی ولایت و حکومت سے خارج ہوجاؤ اور اللہ کی ولایت و حکومت اور سرپرستی میں داخل ہوجاؤ۔

اگر تم نے میری دعوت کو قبول نہ کیا تو حکومت اسلامی کو جزیہ دیناہوگا اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو میں تمہیں خطرے سے آگاہ کرتاہوں۔[1]

جیسے ہی یہ خط نجران کے عیسائیوں کے پاس پہنچا اور وہ اس کے مضمون سے باخبر ہوئے تو انہوں نے مشورہ کرکے یہ طے کیا کہ علما اور بزرگوں کی ایک جماعت کو مدینہ بھیجا جائے تاکہ وہ وہاں جاکر مسلمانوں کے رسول سے مذاکرہ اور بحث و گفتگو کرے۔

آیہ مباہلہ کی شان نزول:

ابن ہشام لکھتے ہیں:

نجرانی عیسائیوں کی یہ جماعت ساٹھ افراد پر مشتمل تھی اور عیسائیوں کے تین محترم عالم و دانشمند عبد المسیح عاقب، ایہم سید اور ابوحارثہ ابن علقمہ اسقف اس کی سرپرستی کررہے تھے[2]۔

---

[1] یعقوبی، ابن واضح، تاریخ یعقوبی، ترجمہ محمد ابراہیم آیتی، ج۱، ص ۴۵۲.

[2] ۔ حمیری، ابن ہشام، سیرۃ رسول اللہ، ترجمہ سید ہاشم رسولی محلاتی، ج۱، ص ۳۸۔

وہ لوگ اس حالت میں مدینہ پہنچے کہ سب ریشمی لباس پہنے ہوئے تھے، سونے کی انگوٹھیاں ان کے ہاتھوں میں تھیں اور صلیبیں اپنی گردنوں میں ڈالے ہوئے تھے، وہ سیدھے مسجد نبویؐ میں وارد ہوئے لیکن ان کی یہ ظاہری وضع قطع، سرکار رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قطعاً پسند نہ آئی اور آپ نے اسی لئے ان کی طرف کوئی توجہ نہیں فرمائی۔

انہوں نے سرکار کی یہ بے التفاتی دیکھی تو مدینہ میں اپنے دو آشنا افراد عثمان ابن عفان اور عبد الرحمن ابن عوف سے اس کی وجہ پوچھی، ان دونوں نے کہا کہ اس کی وجہ علی ابن ابی طالبؑ سے دریافت کرو، انہوں نے جب مولا علی علیہ السلام کی طرف رجوع کیا تو آپ نے فرمایا: تم لوگ سادے لباس میں زر و زیور اتار کر حضور کی خدمت میں پہنچو تو آنحضرت توجہ فرمائیں گے۔

جب وہ لوگ اپنی حالت بدل کر حضور کی خدمت میں باریاب ہوئے اور سلام بجالائے تو آپ نے احترام سے ان کے سلام کا جواب دیا اور ان کے لائے ہوئے ہدیوں کو بھی قبول فرمایا۔

باقاعدہ گفتگو شروع کرنے سے پہلے عیسائی نمائندوں نے اظہار کیا کہ ہماری عبادت کا وقت آپہنچا ہے، لہذا ہم اسے بجالانا چاہتے ہیں۔

سرکار نے انہیں اجازت دی اور مشرق کی طرف رخ کر کے وہ اپنی عبادت بجالائے، عبادت سے فارغ ہونے کے بعد انہوں نے مذاکرہ اس طرح شروع کیا:

اے محمد کیا آپ ہمارے سید و صاحب کو پہچانتے ہیں؟

آپ نے فرمایا: تمہارے سید و سردار کون ہیں؟

انہوں نے کہا: عیسیٰ ابن مریم۔

سرکار نے فرمایا: ہاں، وہ اللہ کے بندہ اور رسول ہیں۔

یہ سن کر انہوں نے کہا: آپ ہمارے سامنے کسی ایسے کو پیش کریں جسے اللہ نے ان کی طرح پیدا کیا ہو؟

اتنے میں جواب کے طور پر حضرت جبریل امین علیہ السلام یہ آیت لے کر نازل ہوئے " إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ... "[1] کہ بے شک عیسی کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کے جیسی ہے، اللہ نے انہیں مٹی سے پیدا کیا ہے۔

اس لئے عیسیٰ کا بغیر باپ کے پیدا ہونا، ان کے اللہ یا ابن اللہ ہونے کی دلیل نہیں ہے۔

لیکن عیسائیوں نے اس عقلی و منطقی دلیل کو نہیں مانا اور کٹ حجتی پر اتر آئے تو پھر یہ آیت نازل ہوئی

" فمن حآجك فيه من بعد ما جاءك من العلم فقل تعالوا ندع ابناءنا وابناء كم ونساءنا ونساء كم وانفسنا وانفسكم ثم نبتهل فنجعل لعنة الله على الكاذبين "[2]

جس میں مباہلہ کا حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا گیا ہے۔

---

[1] سورہ آل عمران، آیہ ۵۹۔

[2]۔ سورہ آل عمران، آیہ ۶۱۔

جس وقت سرکار رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے سامنے مباہلہ کی تجویز رکھی تو وہ حیرت سے ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے اور انہوں نے سوچنے، سمجھنے اور مشورہ کرنے کے لئے مہلت طلب کی[1]۔

جب وہ مشورہ کرنے بیٹھے تو ان کے اسقف نے کہا:

کل دیکھنا، کون لوگ ان کے ساتھ آتے ہیں، اگر وہ اصحاب کو لے کر آئیں تو مباہلہ کر لینا ورنہ مت کرنا[2]۔

اگلے دن صبح کو سرکار رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے بیٹوں "حسن و حسین" اپنی بیٹی "فاطمۃ الزہرا" اور اپنے نفس، چچازاد بھائی اور داماد و خلیفہ مولا علی علیہم السلام کو لے کر مباہلہ کے لئے برآمد ہوئے تو نجرانی عیسائیوں نے کہا کہ: ان کا تعارف کرائیں، جب ان سب کا تعارف اس طرح کرایا گیا: "هذا ابن عمه و زوج ابنته و أحب الخلق إليه و هذان ابنا بنته من علي و هذه الجارية بنته فاطمة أعز الناس عليه و أقربهم إلى قلبه"[3] یہ ان (رسول خدا) کے ابن عم، ان کی بیٹی کے شوہر اور ان کے نزدیک مخلوقات میں سب سے زیادہ محبوب ہیں اور یہ دونوں علی کے صلب سے ان کی بیٹی کے بیٹے اور یہ خاتون ان کی بیٹی فاطمہ ہیں جو ان کے نزدیک سب سے زیادہ معزز اور ان کے دل سے سب سے زیادہ قریب ہیں۔

نجرانی سردار یہ جان کر وحشت زدہ ہو گئے اور ان میں سے ایک اپنے ساتھیوں سے یوں کہنے لگا:

بخدا میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں کہ اگر وہ خدا سے چاہیں کہ پہاڑ جابجا ہو جائیں تو ایسا ہو جائے گا[4]۔

نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائی مباہلہ کرنے سے پیچھے ہٹ گئے اور اپنی شکست تسلیم کر کے جزیہ دینے پر تیار ہو گئے[5]۔

اور پھر یہ وفد نجران کی طرف لوٹ گیا لیکن دینی عقائد اور رسول و اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت و حقانیت کا اثر یہ ہوا کہ کچھ مدت بعد نصارائے نجران کے دو عالم سید اور عاقب مدینہ آئے اور وہاں آکر مسلمان ہو گئے[6]

آیہ مباہلہ اور دینی عقائد کا تحفظ:

اس آیہ کریمہ سے یہ بات صاف طور پر سمجھ میں آتی ہے کہ دینی عقائد کے مقابلہ میں اگر اہل باطل اپنے باطل عقائد پر مصر ہوں اور حکمت و موعظہ حسنہ ان پر اثر انداز نہ ہو تو پھر دین حق کے پرستاروں کو ان سے جدال احسن کرنا چاہیئے کہ جس کی ایک قسم مباہلہ ہے۔

نیز دینی عقائد کے دفاع و تحفظ کی خاطر اپنی اور اپنے قرابتداروں کی جان کو داؤں پر لگانے سے بھی گریز نہیں کرنا چاہیئے۔۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ دینی عقائد میں عقیدہ توحید کو اصل الاصول کی حیثیت حاصل ہے اور اسی ایک اصل پر مکمل اسلامی دین و شریعت کا دارومدار ہے اور اسلام و قرآن کا موقف اس سلسلہ میں نہایت مضبوط، اٹل، مستحکم اور ناقابل تبدیل ہے۔

---

[1] ۔ قرائتی، محسن، تفسیر نور، مرکز فرہنگی درسہائی از قرآن،، ج ۲، ص ۷۶.

[2] ۔ طبرسی، فضل بن حسن، مجمع البیان فی تفسیر القرآن، انتشارات ناصر خسرو، ج ۲، ص ۷۶۲.

[3] ۔ شیخ مفید، محمد بن محمد بن نعمان، الإرشاد فی معرفۃ حجج اللہ علی العباد، کنگرہ شیخ مفید، قم، ج ۱، ص ۱۶۸.

[4] ۔ المقریزی، احمد بن علی، امتاع الاسماع، ج ۲، ص ۹۵.

[5] ۔ الارشاد، ج ۱، ص ۱۶۸.

[6] حمیری، ابن ہشام، سیرۃ رسول اللہ، ترجمہ سید ہاشم رسولی محلاتی، ج ۱، ص ۳۸۱. ۔

اس اہم اور بر حق عقیدہ کے مقابلہ میں ثنویت و تثلیث وغیرہ جیسے باطل و بے بنیاد عقیدے ہیں کہ جنہوں قرآن حکیم نے شرک سے تعبیر فرمایاہے اور اسے "ان الشرك لظلم عظیم [1]" کہکر "عظیم ظلم و ستم" قرار دیا ہے۔

مباہلہ در حقیقت اسی عظیم و مبارک اصل و عقیدہ (توحید) کے دفاع و تحفظ کا نام ہے جسے آیہ مباہلہ کی بیس پر انجام دیا گیاہے اور دین اسلام کے خصم و دشمن کو ایسے موڑ پر لاکر کھڑا کر دیا گیا کہ جہاں اس کے دین و عقیدہ کا باطل، موہوم اور بے بنیاد ہونا روز روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے، وہیں اسلام اور خصوصا عقیدہ توحید کی صداقت، حقانیت، عظمت اور بالادستی کھل کر سامنے آجاتی ہے۔

بلاشبہ یہ آیہ مبارکہ ہر دور کے مسلمانوں کو اس عظیم امر کی طرف متوجہ کرتی ہے اور ہمیشہ متوجہ کرتی رہے گی کہ جب دین و مذہب اور الٰہی عقائد و اقدار کے دفاع و تحفظ کی خاطر حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنی اور اپنے اہل بیت کی بیش قیمت جان کو قربان کرنے پر تیار ہو جاتے ہیں تو پھر انہیں بھی اس دین کے دفاع و تحفظ کی خاطر اپنی حقیر جان کی پرواہ نہیں کرنی چاہیئے اور اس کے بقا و دوام اور عظمت و بالادستی کے لئے ہر طرح کی قربانی دینے کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔

لیکن خدانخواستہ اگر اسلام اور اس کے بر حق عقائد کے دفاع و تحفظ کے لئے کسی جگہ کے مسلمانوں میں یہ جذبہ نہیں پایا جاتا اور دینی عقائد و مقدسات کی کھلی توہین کے باوجود کسی کے کانوں پر جوں نہیں رینگتی تو پھر انہیں ضرور اپنے اسلام و ایمان کا جائزہ لینا چاہیئے اور الٰہی عتاب و عذاب کا سامنا کرنے سے پہلے اپنا محاسبہ کرکے اپنے فرائض کو انجام دینا چاہیئے۔

---

[1] سورہ لقمان، آیہ ۱۳۔

امام کاظم علیہ السلام اور خدمت خلق

مقدمہ

یہ بات مسلم ہے کہ انبیاء، اوصیاء اور آئمہ معصومین علیہم السلام لوگوں میں سب سے زیادہ خلق خدا کے خدمت گزار ہوتے لوگوں کی دست گیری ان کے خمیر میں شامل ہوتی ہے اور کیوں نہ ہو جبکہ خدا وند متعال نے ان کو پوری دنیا کے لئے اسوۂ حسنہ قرار دیا ہے

آئمہ معصومین علیہم السلام کی اس صفت کا ذکر زیارت جامعہ میں ان الفاظ میں ہوا ہے "وَ عَادَتُكُمُ الْإِحْسَانُ وَ سَجِيَّتُكُمُ الْكَرَمُ"۔۔ آپ کی عادت احسان کرنا اور آپ کی صفت کرم کرنا ہے۔

ہمارے مقالہ کا عنوان :"امام کاظم علیہ السلام اور خدمت خلق" ہے چونکہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سلسلہ امامت کی ساتویں کڑی ہیں جو "وَعَادَتُكُمُ الْإِحْسَانُ وَسَجِيَّتُكُمُ الْكَرَمُ "کا کامل مصداق ہیں لہذا ہم اس مقالہ میں آپ کی حیات طیبہ پر اس جہت سے روشنی ڈالنے کی کوشش کریں گے اگرچہ خدمت خلق ایک عام موضوع ہے جو مادی اور معنوی امداد دونوں کو شامل ہے لیکن ہمارا مطمع نظر امام علیہ السلام کا لوگوں کی مالی مدد کرنا ہے اس کے چند نمونہ ذکر کرنے سے پہلے ایک ابہام کو دور کر دینا ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ :

بعض سادہ فہم لوگ آئمہ معصومین علیہم السلام کی زندگی سے واقفیت نہ رکھنے کی بنا پر یہ تصور کرتے ہیں کہ آئمہ معصومین علیہم السلام فقیر انسان تھے ان کے پاس مالت و دولت نام کی کوئی چیز نہ تھی لہذا پھر کس طرح سے وہ حضراتؑ لوگوں کی مالی امداد کیا کرتے تھے ؟

جواب: یہ ایک عامیانہ فکر ہے، چونکہ معاشرہ معمولاً قناعت کے ساتھ زندگی بسر کرنے والوں کے بارے میں یہی سوچنے لگتا ہے لہذا عقلی طور پر یہ بات مسلم ہے کہ اگر کوئی قناعت کے ساتھ زندگی گزار رہا ہو تو ضروری نہیں ہے کہ وہ فقیر ہے یا اس کے پاس مال و دولت کی کمی ہے۔ لہذا آئمہ معصومین علیہم السلام خصوصاً امام کاظم علیہ السلام اگر قناعت کے ساتھ زندگی گزارتے تھے تو اس کا قطعاً یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ فقیر تھے یا مال و دولت کے ذرائع سے محروم تھے، امام کاظم علیہ السلام کے پاس مالی کسب و کار کے مختلف ذرائع تھے جن میں چند ذرائع یہ تھے:

۱۔ خمس و زکات و صدقہ :

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی زندگی کا جب مطالعہ کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ آپؑ کے زمانے میں شیعوں کے توسط سے آپؑ کی خدمت میں کافی رقم پہنچتی تھی، جس کے ذریعہ آپؑ لوگوں کی مشکل کشائی کیا کرتے تھے۔

۲۔ آپؑ کا خود کام کرنا:

علی بن حمزہ کا بیان ہے کہ: "ایک دن میں نے امام کاظم علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ کھیتی میں مشغول ہیں اور ان کے بدن مبارک سے پسینہ بہہ رہا ہے میں نے پوچھا: (یا ابن رسول اللہ!) میں آپ پر قربان جاؤں، آپ کے غلام کہاں ہیں؟ آپؑ نے فرمایا: اے علی! مجھ سے بہتر (میرے جد رسول اللہؐ اور امیر المومنینؑ) نے اس زمین پر کھیتی ہے۔ کھیتی باڑی تو انبیاء اور مرسلین کا پیشہ رہا ہے۔[1]

۳۔ ارث اور اوقاف:

امام کاظم علیہ السلام کی درآمد کا ایک ذریعہ اوقاف کی زمینیں تھیں۔ جیسا کہ ابو بصیرؓ امام باقر علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں کہ جناب زہرا سلام اللہ علیہا اور کی وصیت کے مطابق اور امام علی علیہ السلام کے وقف نامہ کے ذریعہ سات کھیتی کی زمین آپ تک منتقل ہوئیں۔[2] اور اسی طرح امام کاظمؑ کے وصیت نامہ میں آپؑ کو آپکے بابا (امام صادقؑ) کی ایک تہائی اوقافی زمینی ارث کے طور پر ملنے کا ذکر ہے۔[3]

ان ذرائع کے علاوہ بھی امام کاظم علیہ السلام کو لوگوں کی جانب سے تحفہ ملتے رہتے تھے امام علیہ السلام اپنے پاس موجودہ رقم سے غریبوں اور بیکسوں کی دستگیری فرماتے تھے ان میں سے ایک مورد قرض داروں کی مدد کرنا ان کا قرض چکانا ہے

۱۔ مقروضین کی مدد

محمد بن عبد اللہ بکری کا بیان ہے کہ میں کسی کا مقروض تھا، اس کا قرض ادا کرنے کیلئے میں نے کافی زحمت اور مشقت برداشت کیں لیکن کہیں سے کوئی بند و بست نہ ہو سکا آخر کار مدینہ میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا آپ اس وقت اپنے غلام کے ساتھ کھیتی میں مصروف تھے، سلام و دعا کے بعد امام کے ساتھ کھانا کھایا اس کے بعد امام نے دریافت کیا کہ کیا ہوا؟

امامؑ سے میں نے اپنی مکمل داستان بیان کی۔ امامؑ نے اپنے غلام کو کچھ دور بھیجا اور پھر مجھے ۳۰۰/ دینار عطا کئے، میں نے اس رقم سے اپنا قرض ادا کیا۔[4]

توجہ: امامؑ نے اپنے غلام کو اس لئے دور بھیجا تا کہ اس ضرورتمند کی آبرو محفوظ رہے۔

۲۔ آسیب زدگان کی مدد

---

[1] بحار الانوار ج ۴۸ ص ۱۱۵

[2] کافی ج ۷ ص ۴۸-۴۷

[3] عیون اخبار الرضا (ع) ص ۲۸

[4] بحار الانوار ج ۴۸ ص ۱۰۸

عیسی بن محمد قرطی کا بیان ہے کہ میں مدینہ کے نزدیک ایک زمین میں کھیتی باڑی کا کام کرتا تھا، جیسے جیسے فصل کاٹنے کا وقت قریب آیا کیڑوں نے پوری فصل کو برباد کر دیا، اسی اثناء میں سر جھکائے بیٹھا تھا اور اپنے مستقبل کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ اچانک وہاں سے امام کاظم علیہ السلام کا گزر ہوا۔ میں فوراً اٹھا اور سلام کیا امام نے پوچھا کہ تم کچھ پریشان نظر آتے ہو؟ میں نے عرض کیا: میں یہاں کھیتی باڑی کا کام کیا کرتا تھا کہ لیکن کیڑوں نے پوری فصل برباد کر دی اسی وجہ سے پریشان ہوں۔ آپ نے فرمایا: کتنا نقصان ہوا؟ میں نے کہا ۱۲۰/ دینار اور ۲/ اونٹ کی قیمت کے مطابق نقصان ہوا ہے۔ آپؑ نے فوراً بیت المال کے خزانچی سے کہا ۱۵۰/ دینار اور ۲/ اونٹ کی قیمت عیسی کو دے دو، جب میں نے امام کی مہربانی اور محبت کو دیکھا تو امام سے درخواست کی میری زمین میں داخل ہو کر میرے حق میں دعا فرمادیں۔

امام نے میری درخواست قبول کر لی اور میرے حق میں دعا کرنے کے بعد فرمایا کہ میرے جد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ فرماتے ہیں:

تمسکوا ببقاء المصائب کہ مصیبتوں کے بعد باقی رہ جانے والے سرمایہ سے مدد لو۔

اس کے بعد قرطی اضافہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ امام کی اس مدد اور دعا کے بعد میں نے اپنا سارا قرض ادا کر دیا اور آپؑ کی دعا کی برکت سے میں نے اس زمین سے بہت منافع اور فائدہ اٹھایا اور اس زمین کو ۱۰/ ہزار دینار میں فروخت کر دیا۔[1]

۳۔ اپنے شیعوں کے ذریعہ سے امداد کروانا

سرزمین ری (تہران) کا ایک مفلس، حکومت ری کے کسی خلیفہ کا مقروض تھا، وہ اپنا قرض ادا کرنے پر قادر نہیں تھا، لہذا جب کوئی چارانہ سوجھا، مدینہ میں امام موسی کاظم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور امام سے مدد طلب کی تاکہ اپنے قرض کو ادا کر سکے۔

امام علیہ السلام نے اس کی مشکل کشائی کیلئے ری کے حاکم جو کہ امام کے شیعوں میں سے تھے ان کو کچھ اس طرح ایک خط لکھا:

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمنِ الرَّحِيمِ اِعْلَمْ اَنَّ للهِ تَحْتَ عَرْشِهِ ظِلاًّ لا يَسْكُنُهُ الاّ مَنْ اَسْدى اِلى اَخيهِ مَعْروفاً اَوْ نَفَّسَ عَنْهُ كُرْبَةً، اَوْ اَدْخَلَ عَلَى قَلْبِهِ سُروراً وَهذا اَخوكَ والسلام ۔ جان لو! عرش الٰہی کے نیچے ایک سایہ ہے کہ جس سے وہ افراد سکون حاصل کرینگے کہ جو اپنے ایمانی بھائی کی نسبت سے اچھائی اور نیکی کیا کرتے تھے یا ان کی مشکلات کو حل کیا کرتے تھے یا ان کے دلوں کو شاد کیا کرتے تھے۔ یہ (اس نامہ کو لانے والا بھی) تمہارا بھائی ہے۔ تم پر سلام ہو.....[2]

وہ شخص حج کے فرائض انجام دینے کے بعد یہ خط لیکر اپنے وطن (ری) واپس آگیا اور ایک رات حاکم کے گھر پہنچنے کے بعد دروازے پر دستک دی۔

حاکم کے خادم نے پوچھا: تو کون ہے؟ اس نے کہا: میں امام صابر (امام کاظم علیہ السلام) کا پیغام لیکر آیا ہوں۔

---

[1] بحار الانوار ج ۴۸ ص ۲۹

[2] بحار الانوار ج ۴۸ ص ۸۵

خادم نے یہ پیغام حاکم تک پہنچایا، حاکم نے جب یہ سنا تو پابرہنہ نہایت خوشی کے عالم میں اس کے استقبال کیلئے دوڑا، اس کو گلے لگایا پھر حاکم نے امام کا حال پوچھا۔ اس نے امام کا پیغام اور خط اس کے حوالہ کیا۔

اس نے امامؑ کے خط کو چوما اور خط پڑھنے کے بعد اس نے اپنے غلام سے کہا کہ اس کے پاس جتنا بھی مال و لباس ہے سب پیش کیا جائے، اس کے بعد اس نے اپنا مال اپنے اور اس کے درمیان تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ وہ تقسیم کرتا جارہا تھا اور کہتا جارہا تھا کہ اے میرے بھائی! کیا تو خوش ہوا؟ وہ کہتا ہے کہ ہاں میرے بھائی تو نے مجھے خوشحال کر دیا اور میری امید سے زیادہ عطا کر دیا۔

اس کے بعد حاکم نے جس رجسٹر میں اس کا حساب لکھا تھا وہ منگوا کر اس کا سارا قرض مٹا دیا اور اس کا سارا قرض معاف کر کے اس کو یوں شادمانی اور خوشحالی کے ساتھ وداع کیا، اس کے بعد شہری میں رہنے والا شخص کچھ دنوں بعد دوبارہ حج کے موسم میں مکہ آتا ہے اور وہاں سے پھر امام کاظمؑ کی خدمت میں شرفیابی کا موقع حاصل کرتا ہے اور امام علیہ السلام سے پورا ماجرا بیان کرتا ہے۔

جب امام نے یہ واقعہ سنا تو بہت خوش ہوئے اور کہا کہ خدا کی قسم! اس (حاکم) نے مجھے بھی خوش کیا، اللہ کو بھی اور میرے جد پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امیر المؤمنین علیہ السلام کو بھی خوشحال کر دیا۔[1]

خلاصہ

امام موسی کاظم علیہ السلام چونکہ ہادی برحق تھے اور آپؑ ہی پیغمبر اسلام کے حقیقی جانشین ہیں لہذا جس طرح پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ[2] لہذا پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح آپؑ بھی امت کے دلسوز ہیں۔ اور آپؑ ہی کا ارشاد گرامی ہے کہ: عَوْنُكَ لِلضَّعِيفِ مِنْ أَفْضَلِ الصَّدَقَةِ[3] کہ تمہاری ضعیف (ضرورتمندوں کی مدد کرنا بہترین صدقوں میں سے ہے) اسی لئے آپ ہمیشہ غریبوں، فقیروں، مفلسوں اور ضرورتمندوں کی مدد ہمیشہ کرتے رہے ہیں بھی آپؑ کی زندگی سے سبق لیتے ہوئے اپنے دینی بھائیوں اور معاشرہ کی خدمت کیلئے ہر وقت تیار رہنا چاہیئے۔

---

[1] حیاۃ الامام موسیٰ بن جعفر ص ۱۶۱
[2] سورہ توبہ آیۃ ۱۲۸
[3] تحف العقول ص ۴۱۴

فریقین کی روایات میں بہترین شخص کی علامات

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

۱- خیرکم من تعلم القرآن وعلمه[1] تم میں سے بہتر وہ ہے جس نے قرآن سیکھا اور سکھایا۔

۲- خیارکم أحاسنکم أخلاقا[2] تم میں بہتر وہ ہیں جن کے اخلاق تم میں سب سے بہتر ہیں۔

۳- خیرکم خیرکم لأهله[3]

تم میں بہتر وہ ہیں جو اپنے گھر والوں کے لئے اچھے ہیں۔

۴- خیرکم من أطعم الطعام وردّ السلام[4]

تم میں بہتر وہ ہیں جو کھانا کھلاتے ہیں اور سلام کا جواب دیتے ہیں۔

۵۔ خیارکم ألینُکم مناکب فی الصلاة[5]

تم میں بہتر وہ ہیں جو نماز میں کندھے نرم رکھیں۔

۶- خیر الناس من طال عمره وحسن عمله[6]

تم میں بہتر وہ ہے جس کی عمر لمبی ہو اور اس کا عمل نیک ہو۔

۷- خیر الناس أنفعهم للناس[7]

لوگوں میں سب سے بہتر وہ ہیں جو لوگوں کو سب سے زیادہ فائدہ دینے والے ہیں۔

خداوند متعال ہم سب کو ان اخلاقی صفات کے اپنے اندر پیدا کرنے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ ایک اسلامی معاشرہ قائم کر سکیں اور اپنے حبیب پیامبر گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں ٹھنڈک قرار پا سکیں اور قیامت میں ان سے شرمسار نہ ہوئیں اگر ہم نے اپنے کو نیک اور باکردار نہ بنایا پھر کیسے ہم ان سے شفاعت کی امید رکھ سکتے ہیں؟!

---

[1] صحیح البخاری: ۵۰۲۷ عوالی اللئالی العزیزہ فی الاحادیث ج۱ ص۹۹

[2] صحیح البخاری: ۶۰۳۵ مکارم الاخلاق ج۱ ص ۲۳

[3] صحیح ابن حبان: ۴۱۷۷ من لایحضرہ الفقیہ ج ۳ ص۵۵۵

[4] صحیح الجامع: ۳۳۱۸ الخصال ج۱ ص۹۱ اس کتاب میں [رد السلام] کے بجاے [افشی السلام] ہے

[5] الترغیب والترہیب: ۱/۲۳۴ بحار الانوار الجامعۃ لدرر الاخبار ج۸۱ ص ۲۶۲

[6] صحیح الجامع: ۳۲۹۷ جامع الاخبار ج۱ ص۱۸۱ اس میں ہے یارسول اللہ ای الناس خیر فقال من طال عمرہ وحسن عملہ۔

[7] صحیح الجامع: ۳۲۸۹ مستدرک الوسائل ومستنبط المسائل ج۱۲ ص۳۹۱۔

ہندوستان میں شافعی مذہب

ہند میں شافعی مذہب اہل سنت کا دوسرا سب سے بڑا فقہی مذہب ہے۔یہ لوگ ابتدا ہی سے ہند کے ساحلی علاقوں میں آباد ہیں۔اور اب بھی ان کی اکثریت انہیں علاقوں (مثلا، کیرالا، گجرات، تمل ناڈو، کرناٹک، گوا، انڈمان، کوکن، ممبئی، حیدر آباد وغیرہ) میں رہتی ہے۔

کیرالا کو شافعیت کے یہاں وہی مرکزی حیثیت حاصل ہے جو ہند کے احناف کے یہاں اتر پردیش کو۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اسی علاقے میں ان کے اکابر علما پیدا ہوئے، اور یہیں پر ان کے بڑے بڑے مدارس و جامعات قائم ہیں۔مثلا جامعہ مرکز الثقافۃ السنیہ کالی کٹ، دار الہدیٰ اسلامک یو نیورسٹی اور جامعہ سعدیہ کاسر کوڈ وغیرہ۔کیرالا کے علاوہ دیگر صوبوں میں بھی ان کے مدارس و جامعات موجود ہیں۔

متاخرین شوافع علما کا مشہور و معروف خاندان مخدومی خاندان بھی کیرالا ہی میں ہے۔صاحب فتح المعین مخدوم شیخ زین الدین مخدوم ثانی علیہ الرحمہ (تلمیذ: امام ابن حجر ہیتمی مکی شافعی علیہ الرحمہ) اسی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔

جس طرح ہند کے متاخرین علمائے احناف میں امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ کی شخصیت انتہائی معتبر تسلیم کی جاتی ہے۔اسی طرح کیرالا کے متاخرین علمائے شوافع میں شیخ زین الدین مخدوم ثانی کی شخصیت انتہائی معتبر مانی جاتی ہے[1]

کیرالا کے علاوہ گجرات میں موجود ایک قدیم خانقاہ، خانقاہ رفاعیہ بڑودہ کے علما و مشائخ بھی شافعی المذہب ہیں۔ہند کے اولین مفسرین میں سے ایک شیخ علی مہائمی علیہ الرحمہ (صاحب تبصیر الرحمن) کا فقہی مذہب بھی شافعی تھا۔خطۂ کشمیر میں اسلام پھیلانے والے عظیم مبلغ، مصنف کتب کثیرہ، میر سید علی ہمدانی علیہ الرحمہ بھی امام شافعی علیہ الرحمہ کے مقلد تھے۔

شافعی نکتہ نظر کی ترجمان اور فارسی زبان میں لکھی گئی تفسیر "مواہب الرحمن" کے مصنف، تحفہ اثنا عشریہ کے مترجم، مولانا غلام محمد اسلمی مدراسی علیہ الرحمہ بھی شافعی تھے۔[2]

امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ کے ممتاز شاگرد اور خلیفہ، فقہ اربعہ (حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی) میں فتاویٰ دینے والے ماہر ہندی مفتی، مولانا شہاب الدین احمد کویا شالیاتی علیہ الرحمہ (صاحب الفتاویٰ الازہریہ)[3] مفتی امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ کے جید شاگرد اور

---

[1] ۔ریاست کیرلا کے مشاہیر فقہا

[2] پاک و ہند کے مفسرین اہلسنت اور ان کی تفسیریں/ص: ۴۹-۵۰

[3] ۔بقول مولانا ظفر الاسلام مصباحی ادروی سابق استاذ فقہ حنفی جامعہ مرکز الثقافۃ السنیہ کالی کٹ

جامعہ قادریہ رضویہ فیصل آباد کو ترقی دینے والے یعنی مولانا معین الدین شافعی علیہ الرحمہ، خانقاہ رفاعیہ بڑودہ کے شیخ طریقت، عظیم مفتی اور فقیہ، سید ابو الحسن شاہ جہاں المعروف بہ نور الدین سیف اللہ رفاعی علیہ الرحمہ بھی شافعی المذہب تھے۔ سید رفاعی علیہ الرحمہ کی امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ کے ایک فتوے پر دست خط بھی ہے[1]

جامعہ سعدیہ کیرالا کے بانی شیخ ایم۔ اے۔ عبد القادر مسلیار شافعی علیہ الرحمہ، شمالی ہند کے اہل سنت کو جنوبی ہند کے اہل سنت سے متعارف کرانے والے اور حدائق بخشش کا ملیالم زبان میں ترجمہ کرنے والے یعنی شاہ الحمید الشافعی علیہ الرحمہ (تلمیذ: مولانا تحسین رضا خان محدث بریلوی علیہ الرحمہ) اور ہند کے شوافع کے تاج الشریعہ، شیخ علی علیہ الرحمہ وغیرہ ہندوستان کے ممتاز شوافع علما تھے۔

اس وقت ہندوستان میں بے شمار شوافع علما موجود ہیں۔ جن میں شیخ ابو بکر احمد باقوی ملیباری حفظہ اللہ (بانی: جامعہ مرکز الثقافۃ السنیہ کالی کٹ) چوٹی کے شافعی عالم دین ہیں۔ سمستھا کیرالا سنی جمیعۃ العلماء کے نام سے کیرالا میں شوافع کے پاس ایک مضبوط پلیٹ فارم بھی ہے۔

امام شافعی اور ذکرِ علی علیہ السلام

اذا فی مجلس ذَکَرُوا علیاً وسِبْطَیْہِ وفاطمۃَ الزَّکِیَّۃ — فَاَجْریٰ بَعْضُھم ذِکریٰ سِواہُ فَاَیْقَنَ اَنَّہُ سَلَقْلَقِیَۃ

اِذا ذَکَرُوا عَلیاً اَوبَنیہِ تَشاغَلَ بِالرِّوایاتِ الْعَلِیَۃِ — یُقالُ تَجاوَزُوا یاقومِ ھٰذا فَھٰذا مِن حَدیثِ الرَّافِضِیَّۃِ

بَرِئتُ الی الْمُھَیْمِنِ مِن اناسٍ یَرونَ الرَّفْضَ حُبَّ الْفَاطِمِیَۃِ

عَلیٰ آلِ الرَّسولِ صَلوۃُ رَبِّی وَلَعْنَتُہُ لِتِلْکَ الْجَاھِلِیَّۃِ

”جب کسی محفل میں ذکرِ علی علیہ السلام ہو یا ذکرِ سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا ہو یا اُن کے دو فرزندوں کا ذکر ہو، تب کچھ لوگ اس واسطے کہ لوگوں کو ذکرِ محمد و آلِ محمد ﷺ سے دور رکھیں، دوسری باتیں چھیڑ دیتے ہیں۔ تمہیں یہ یقین کر لینا چاہئے کہ جو کوئی اس خاندان کے ذکر کیلئے اس طرح مانع ہوتا ہے، وہ بدکار عورت کا بیٹا ہے۔ وہ لمبی روایات درمیان میں لے آتے ہیں کہ علیؑ و فاطمہؑ اور اُن کے دو فرزندوں کا ذکر نہ ہو سکے۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ اے لوگو! ان باتوں سے بچو کیونکہ یہ رافضیوں کی باتیں ہیں (میں جو امام شافعی ہوں) خدا کی طرف سے ان لوگوں سے بیزاری کا اظہار کرتا ہوں جو فاطمہؑ سے دوستی و محبت کرنے والے کو رافضی کہتے ہیں۔ میرے رب کی طرف سے درود و سلام ہو آلِ رسول ﷺ پر اور اس طرح کی جہالت (یعنی محبانِ آلِ رسول کو گمراہ یا رافضی کہنا) پر لعنت ہو“۔

حوالہ جات ۱۔ شیخ سلیمان قندوزی حنفی، کتاب ینابیع المودۃ، صفحہ ۳۲۹، باب ۶۲، از دیوانِ شافعی۔ ۲۔ شبلنجی، کتاب نور الابصار میں، صفحہ ۱۳۹، اشاعت سال ۱۲۹۰

[1] مختصر تذکرہ حضرت مفتی سید ابو الحسن شاہ جہاں المعروف نور الدین سیف اللہ رفاعی شافعی رحمتہ اللہ علیہ

اخباری تراشے

۱۔ شعبہ آموزش

علمی مسابقہ

جامعہ المصطفیٰ العالمیہ ایک ایسا دینی اور علمی ادارہ ہے جس نے پوری دنیا میں قرآن اور اہل بیت علیہم السلام کے حیات آفرین مکتب اور قرآنی بنیادوں پر استوار، خالص اسلامی تعلیمات کی اشاعت و توسیع کا پرچم اٹھا رکھا ہے اور اس نے آگاہ، ماہر اور مخلص علما دین کی تعلیم و تربیت اور علم کی راہ میں کوشاں لوگوں کی رشد و نمو کے لئے اپنی ساری کوششوں اور توانائیوں اور امکانات کو بروے کار لگا رکھا ہے۔

اس سلسلہ میں مختلف مواقع پر طالب علموں کی تعلیمی و تحصیلی توانائیوں کا جائزہ لینے کے ساتھ مختلف راہوں اور ذرائع سے حصول علم کے امکانات فراہم کئے نیز مطلوبہ حد تک علمی ترقی کے امکانات کی فراہمی کو اصلی ہدف قرار دیا ہے۔

ہندوستان میں واقع نمائندگی جامعہ المصطفیٰ مذکورہ مقاصد کے تحت پورے ہندوستان میں موجود خود سے ملحقہ حوزات علمیہ اور دینی مدارس کے طالب علموں کا علمی لحاظ سے اختبار لینے کی غرض سے پانچواں کل ہند امتحانات منعقد کر رہا ہے۔

۲۔ شعبہ پژوہش

نمایندگی جامعۃ المصطفیٰ (ص) العالیہ، نئی دہلی، ہندوستان۔ کا شعبہ تحقیقات (معاونت پژوہش) نمایندگی کے سربراہ حضرت حجۃ الاسلام والمسلمین آقای ڈاکٹر رضا شاکری مد ظلہ کی رہنمائی میں ہندوستانی مدارس علمیہ میں مختلف خدمات انجام دینے میں مصروف ہے جس کی بعض علمی، تحقیقی سرگرمیوں کو ذیل میں مختصرا بیان کیا گیا ہے۔

۱۔ نمایندگی جامعۃ المصطفیٰ (ص) العالیہ سے وابستہ ہندوستانی دینی مدارس میں تحقیق کے کلچر کا فروغ۔

۲۔ انگریزی میں تخصصی رسالہ "تفکر دینی" کی اشاعت۔ ۳۔ اردو زبان میں رسالہ "بصیرت" کی اشاعت۔

۴۔ محققین کے لیے مختلف ترغیبی پروگرام۔ ۵۔ کتابی شکل میں اشاعت کے لیے ہندوستانی موضوعات پر لکھی گئی تھیسیز کا جائزہ۔

۶۔ جامعۃ المصطفیٰ (ص) العالیہ، ایران کے طلباء کے لیے ہندوستان سے متعلق مختلف تحقیقی عناوین کی پیشکش۔

۷۔ ہندوستان کے مشہور مفاخر علمائے کرام کی آشنائی کے لئے ہندوستانی مدارس میں سلسلہ وار سیمینار (جاری)۔ ۸۔ علمی نشستوں کا انعقاد۔

۹۔ مختلف موضوعات پر علمی سیمیناروں کا انعقاد۔ جیسے: سرسید احمد خان اور سمینار جدید سیرہ نگاری، رہبر انقلاب اسلامی آیت اللہ خمینی رضوان اللہ تعالی برسی کے موقع پر امام خمینی (رہ) اور علامہ ذیشان حیدر جوادی مرحوم کی عظیم شخصیات کے عنوان سے عظیم الشان سمینار میں مشارکت۔

ادارہ تنظیم المکاتب لکھنواور نمایندگی جامعۃ المصطفیٰ العالمیہ دہلی نو. کی مشارکت سے تنظیم المکاتب لکھنو میں سہ روزہ عظیم الشان کانفرنس کا انعقاد، علامہ شہید سبط نبی (رہ) کی شخصیت کا جائزہ،، شخصیت خطیب اعظم غلام عسکری صاحب مرحوم، سمینار شخصیت حجۃ الاسلام والمسلمین سید سلمان حیدر عابدی صاحب مرحوم،

۱۰۔ علمی مذہبی وبیناروں کا انعقاد۔ جیسے: وبینار حضرت امام حسن مجتبی علیہ السلام، بین الاقوامی وبینار روز قدس۔

۱۱۔ علمی مدارس میں ارسال کتب۔ ۱۲۔ تحقیق کے شعبے سے متعلق تربیتی کورسز کا انعقاد (تحقیق کا طریقہ)۔ ۱۳۔ تحقیقی اداروں کے ساتھ علمی تعامل۔

۳-شعبہ ثقافت و تربیت

سورہ نور کا انعامی مقابلہ

الحمد للہ ۲۷ رمضان ۱۴۴۴ کو ہندوستان کے دینی مدارس کے طلاب کے درمیان "سورہ نور کا انعامی مقابلہ " منعقد کیا گیا جس میں ۲۵۶ افراد نے شرکت کی اکثر نے ۹۰ فی صد سے زیادہ نمبر حاصل کئے جن میں ۱۰ افراد کو قرعہ اندازی کے ذریعہ انعام سے نوازا گیا۔

یہ مقابلہ آن لائن منعقد ہوا جسمیں تفسیر نمونہ اردو سے ایک مکمل کتابچہ آمادہ کرکے طلاب کے سپرد کیا گیا اور اسی سے سوالات کو اخذ کیا گیا۔

ہندوستان میں نمایندگی جامعۃ المصطفیٰ کے سربراہ حضرت حجۃ الاسلام والمسلمین آقای شاکری مدظلہ نے سبھی شرکت کرنے والوں کو اپنی دعاوں سے نوازا اور خداوند کریم سے ان کے لئے قرآنی مباحث میں اور زیادہ تعمق و تدبر کی توفیقات کی درخواست کی۔

۴۔امور اہل سنت

اہل سنت کے حوالہ سے متعدد امور انجام پاے جن میں بعض مدارس و کتاب خانوں کا جایزہ، طلاب و طالبات میں درس اخلاق، مدیران واساتید کے ساتھ جلسات، شبہات کے جوابات،فارسی آنلائن کلاس کے دورے بعض طلاب کی گرگان کے لئے پذیرش۔

****